Parho

Class 9

URDU

PCTB Textbook

Class 9 | Biology Textbook

To Download Books visit Parho.pk

قومی نصاب پاکستان (نظرِ ثانی شدہ) ۲۰۲۳ء کے مطابق

اُردُو (لازمی)

برائے جماعت نہم

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

Scanned with CamScanner

پیش لفظ

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کی تشکیل و تنظیم میں اس کی قومی زبان اور اس کے قومی نصاب کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور معاشرے میں وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ تبدیلی کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ اس امر کے پیشِ نظر چند سال پہلے ابتدائے بچپن کی تعلیم (ECCE) سے لے کر بارھویں جماعت تک کے نصاب میں ضروری تبدیلیاں کر کے اُسے نافذ کیا گیا ہے۔ نفاذ سے پہلے قومی سطح پر اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی تھی کہ وطنِ عزیز کے چاروں صوبوں اور دیگر انتظامی اکائیوں کی گئی مشاورت سے صوبوں کے لیے قومی نصاب ترتیب دیا جائے جس کا اطلاق تمام سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں اور مدارس پر بھی ہو۔ انھی باتوں کے پیشِ نظر نویں جماعت کے طلبہ کے لیے اُردو (لازمی) کی یہ کتاب قومی نصاب پاکستان (نظرِ ثانی شدہ) ۲۰۲۳ء کے عین مطابق ترتیب دی گئی ہے۔ کتاب کی چیدہ چیدہ خصوصیات درج ذیل ہیں :

- وطنِ عزیز کے اسلامی جمہوریہ ہونے کے ناتے کتاب کی ابتدا میں حمد و نعت اور سیرت النبیؐ کے اسباق کو شامل کیا گیا ہے۔
- قومی شاعر علامہ محمد اقبالؒ کے کلام کو لازمی طور پر نمایندگی دی گئی ہے۔
- ہر سبق سے پہلے حاصلاتِ تعلّم یا مقاصدِ تدریس درج کیے گئے ہیں۔
- انشا پردازی اور املا پر خاص توجہ دی گئی ہے اور اس ضمن میں معزز اساتذہ کرام اور اپنے عزیز طلبہ کی سہولت کے لیے تمام ضروری الفاظ پر اعراب بالخصوص مشدّد الفاظ پر تشدید اور مرکّب اضافی قبیل کے الفاظ پر اضافت کا ہمزہ یا زیر دی گئی ہے تاکہ بچوں کو الفاظ کا صحیح تلفّظ معلوم ہو۔
- اِملا و اِنشا کے جدید اصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔
- ہر سبق میں حسبِ نصاب عملی قواعد کا حصّہ اور کافی تعداد میں معروضی و انشائی نوعیّت کے سوالات دیے گئے ہیں جب کہ کتاب میں مشقوں کو نظرِ ثانی شدہ نصاب کی ہدایات کے مطابق تیار کیا گیا ہے اور ہر سبق کے آخر میں طلبہ کے استفادے کے لیے سرگرمیاں اور اساتذہ کرام کے لیے اشاراتِ تدریس شامل کیے گئے ہیں۔
- کتاب کے آخر میں عزیز طلبہ اور اساتذہ کرام کی سہولت اور رہ نمائی کے لیے الف بائی ترتیب سے فرہنگ مرتّب کی گئی ہے اور فرہنگ میں بالعموم وہی معانی دیے ہیں جو متن میں مراد لیے گئے ہیں۔

اُردو (لازمی) برائے جماعت نہم کے ضمن میں ادارہ "وِز پبلشرز" کے اربابِ اختیار کا شکر گزار ہے جن کی کتاب مقابلے میں اوّل قرار دی گئی اور جنھوں نے کتاب کو ضروری تصاویر سے مزیّن کیا اور کتاب کی تیاری میں ادارے کو تمام سہولتیں بہم پہنچائیں۔

مع ہٰذا اُردو سے متعلّقہ تمام افراد اور اداروں سے گزارش ہے کہ اگر وہ کسی سبق کے متن میں کسی نوع کی لغزش یا اِملا کی کوئی غلطی دیکھیں تو اپنی آرا سے آگاہ فرمائیں۔ ادارہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔

ادارہ

CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

فہرست

نمبر شمار	موضوعات	صفحات
۱	حمد (نظم) (مظفر وارثی)	۲
۲	نعت (نظم) (مولانا ظفر علی خاں)	۷
۳	اخلاقِ حسنہ (سیّد سلیمان ندوی)	۱۲
۴	اپنی مدد آپ (سر سیّد احمد خاں)	۲۰
۵	کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ (ڈپٹی نذیر احمد)	۲۸
۶	نام دیو-مالی (مولوی عبدالحق)	۳۸
۷	آرام و سکون (امتیاز علی تاج)	۴۶
۸	کتبہ (غلام عباس)	۵۸
۹	ابتدائی حساب (ابنِ انشا)	۷۰
۱۰	لڑی میں پروئے ہوئے منظر (رضا علی عابدی)	
۱۱	بھیڑیا (فاروق سرور)	۸۷
۱۲	محنت کی برکات (نظم) (مولانا حالیؔ)	۹۵
۱۳	جاوید کے نام (نظم) (علامہ محمد اقبالؒ)	۱۰۳
۱۴	پیامِ لطیف (نظم) (شیخ ایاز، مترجم)	۱۰۷
۱۵	کرکٹ اور مشاعرہ (نظم) (دِلاور فِگارؔ)	۱۱۲
۱۶	فقیرانہ آئے صدا کر چلے (غزل) (میر تقی میرؔ)	۱۱۹
۱۷	سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا (غزل) (خواجہ حیدر علی آتشؔ)	۱۲۳
۱۸	غم ہے یا خوشی ہے تُو (غزل) (ناصر کاظمی)	۱۲۸
۱۹	کاش طوفاں میں سفینے کو اتارا ہوتا (غزل) (پروین فناؔ سیّد)	۱۳۲
●	فرہنگ	۱۳۵

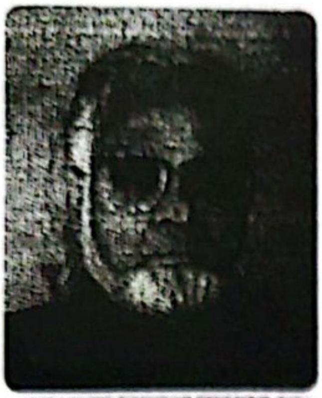

مُظفّر وارثی

(۱۹۳۳ء-۲۰۱۱ء)

محمد مُظفّر الدّین احمد صدیقی، جو اپنے قلمی نام مُظفّر وارثی کے نام سے معروف ہوئے، کی جائے ولادت، مردم خیز خطہ "میرٹھ" (یو۔پی) ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم میرٹھ ہی میں حاصل کی۔ پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو وہ بھی اپنے خاندان کے ہم راہ کراچی آگئے، جہاں اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔

مُظفّر وارثی ابتدائے عمر ہی سے بڑے ذہین و فطین تھے۔ ۱۹۵۰ء میں باقاعدہ شاعری کا آغاز کیا جو تادمِ واپسیں جاری رہا۔ اصنافِ نظم میں انھوں نے تقریباً تمام مروّجہ اصنافِ نظم: حمد، نعت، سلام، گیت، رُباعی، قطعہ وغیرہ میں طبع آزمائی کی اور ہر جگہ اپنی ذہانت و فطانت کا لوہا منوایا تاہم حمد و نعت پر توجہ مرکوز رہی اور یہی دو اصنافِ سخن ان کی شناخت اور وجہِ شہرت قرار پائیں۔ حمد میں ان کی حمد: "اے خدا، اے خدا" اور "وہی خدا ہے" اور نعت میں "میرا پیمبر عظیم تر ہے" زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

اُن کی شاعری کے مجموعوں میں: "بابِ حرم"، "لہجہ"، "نورِ ازل"، "اَلحمد"، "کعبۂ عشق"، "لاشریک"، "دل سے درِ نبیؐ تک" اور "میرے اچھے رسولؐ" شامل ہیں۔ اُن کی تمام شاعری "کلیاتِ مُظفّر وارثی" کی صورت میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ حکومتِ پاکستان نے اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ۱۹۸۸ء میں "پرائیڈ آف پرفارمنس" سے نوازا۔

مُظفّر وارثی کو اُردو کی موضوعاتی شاعری میں ایک اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ انھوں نے بالخصوص اُردو حمد و نعت کو ایک نئی جہت دی۔ فکری اور فنّی ہر دو اعتبار سے ان کی تمام حمدوں اور نعتوں کا ایک ایک شعر موتیوں کی طرح لڑی میں پرویا ہوا لگتا ہے۔ شاملِ کتاب حمد: "یہ زمیں، یہ فلک، ان سے آگے تلک... اے خدا، اے خدا" میں مُظفّر وارثی نے جس انداز میں باری تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے ایک ایک پہلو اور کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو ثابت کیا ہے، وہ انھی کا خاصہ ہے۔ مزید برآں کئی معروف گلوکاروں نے اس حمد کو اپنی دل آویز آواز میں جس طرح پیش کیا ہے، اس کی وجہ سے یہ حمد ہر پڑھے لکھے شخص کی زبان پر جاری ہے۔

حمد

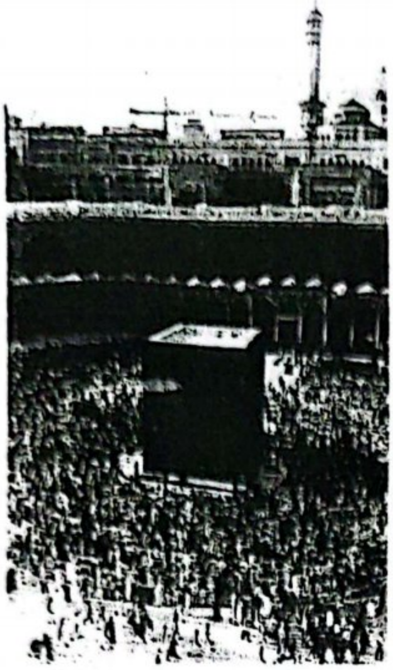

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو حمد کے معنی و مفہوم سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو مظفر وارثی کی حمد گوئی کی خصوصیات کے بارے میں معلومات دینا۔
۳۔ طلبہ کی معلومات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے حوالے سے اضافہ کرنا۔
۴۔ اصنافِ نظم: حمد، مناجات، نعت اور منقبت شناخت کرنے کے حوالے سے طلبہ کی تربیت کرنا۔
۵۔ طلبہ کو بتانا کہ کسی نظم کا مرکزی خیال لکھنا سکھانا۔

یہ زمیں، یہ فلک، اِن سے آگے تلک
جتنی دنیائیں ہیں، سب میں تیری جھلک
سب سے لیکن جُدا، اے خُدا!، اے خُدا!

ہر سحر پھوٹتی ہے نئے رنگ سے
سبزہ و گُل کِھلیں سینۂ سنگ سے
گونجتا ہے جہاں تیرے آہنگ سے
جس نے کی جُستجو، مِل گیا اُس کو تُو
سب کا تُو رہ نما، اے خُدا!، اے خُدا!

ہر ستارے میں آباد ہے اِک جہاں
چاند سورج تیری روشنی کے نشاں
پتھروں کو بھی تُو نے عطا کی زباں
جانور ، آدمی کر رہے ہیں سبھی
تیری حمد و ثنا، اے خُدا!، اے خُدا!

سونپ کر منصبِ آدمیّت مجھے
تُو نے بخشی ہے اپنی خلافت مجھے
شوقِ سجدہ بھی کر اب عنایت مجھے
خَم رہے میرا سر تیری دہلیز پر
ہے یہی اِلتجا، اے خُدا!، اے خُدا!

(بابِ حرم)

Scanned with CamScanner

مشق

(۱) حمد کے متن کے مطابق لفظ لے کر مصرعے مکمل کریں۔

(الف) گونجتا ہے جہاں تیرے ________ سے

(ب) ہر ستارے میں آباد ہے اِک ________

(ج) پتھروں کو بھی تو نے عطا کی ________

(د) سونپ کر منصبِ ________ مجھے

(ہ) شوقِ سجدہ بھی کر اب ________ مجھے

(۲) حمد کے متن سے متعلق نیچے دیے ہوئے سوالوں کے مختصر جواب لکھیں۔

(الف) شاعر کے نزدیک ہر سَحَر کس رنگ میں پھوٹتی ہے؟

(ب) یہ جہاں ہر دم کس کے آہنگ سے گونجتا ہے؟

(ج) حیوانات و جمادات کس کی حمد و ثنا کرتے ہیں؟

(د) اللہ تعالیٰ نے اپنی خِلافت کا مَنصب کسے عطا کیا ہے؟

(ہ) شاعر باری تعالیٰ سے شوقِ سجدہ کا طلب گار کیوں ہے؟

(۳) "حمد" کے متن کے مطابق کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
سینۂ	گُل
زمیں	سنگ
سبزہ و	فلک
چاند	آدمیّت
منصبِ	سجدہ
شوقِ	سورج

۴۔ اعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں۔

فلک	سحر	جستجو	خلافت
آدمیت	منصب	شوق سجدہ	سبزہ و گل

اصنافِ نظم بہ لحاظ موضوع:

حمد: حمد سے ایسی نظم یا اشعار مراد لیے جاتے ہیں جن میں خدائے بزرگ و برتر کی تعریف و ثنا بیان کی گئی ہو۔

مناجات: مناجات اردو شعری اصطلاح میں ایسی نظم کو کہتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ اپنا عجز و انکسار ظاہر کر کے دُعا اور التجا کی جائے۔ حمد اور مناجات میں فرق یہ ہے کہ حمد میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے جب کہ مناجات میں بندہ اپنے پروردگار سے کچھ طلب کرتا ہے۔

نعت: لفظ "نعت" کے لغوی معنی تو تعریف کرنا کے ہیں لیکن شعری اصطلاح میں یہ لفظ رسولِ اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف کے لیے وقف ہو چکا ہے۔ تاریخی اعتبار سے نعت کا آغاز رسولِ کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں ہو گیا تھا اس حوالے سے حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زبیرؓ اور دیگر کئی صحابہ کرام معروف ہیں اور یہ سلسلہ آج تک پورے تُزک و احتشام کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

منقبت: لفظ "منقبت" کے لغوی معنی تعریف، توصیف، صفت و ثنا، خاندانی فضیلت و برتری یا ہنر اور بڑائی کے ہیں۔ اصطلاحِ شعر میں منقبت سے مراد ایسی نظم ہے جس میں صحابہ کرامؓ، ائمہ معصومینؑ، اولیائے عُظّامؒ اور بزرگانِ دین کے اوصاف بیان کیے جائیں۔

(۵) کتاب میں شامل حمد کی روشنی میں حمد اور مُناجات میں فرق واضح کریں۔

نظم کا مرکزی خیال:

کسی بھی نظم کے لُبِ لباب کو اس کا مرکزی خیال کہتے ہیں۔ مرکزی خیال عموماً تین چار سطروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

شاملِ کتاب "حمد" کا مرکزی خیال:

شاعر اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ! زمین ہو یا آسمان تو ہر جگہ اور ہر لمحہ موجود ہے۔ بلاشبہ جو شخص خلوصِ دل سے تجھے ڈھونڈتا ہے، پالیتا ہے۔ یہ کائنات تیری تخلیق ہے اس لیے ہر شے اپنی زبانِ حال سے تیری ثنا کرتی نظر آتی ہے۔ میری التجا ہے کہ جہاں تُو نے انسان کو اپنی خلافت عطا کی ہے وہاں مجھے بھی شوقِ سجدہ عطا کر!

Scanned with CamScanner

(۶) سکول لائبریری سے مُظفّر وارثی کی کلیات حاصل کر کے یا انٹرنیٹ کی مدد سے مُظفّر وارثی کی کوئی اور حمد لیں اور اس کا مطالعہ کر کے مرکزی خیال لکھیں۔

سرگرمیاں:

- مُظفّر وارثی کے علاوہ کسی اور شاعر کی حمد تلاش کریں اور اسے اپنی کاپی میں لکھیں۔
- تمام طلبہ گروپ کی صورت میں اس حمد کی دُرست آہنگ کے ساتھ بلند خوانی کریں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ حمد اور مُناجات میں کیا فرق ہے۔

۲۔ اساتذہ طلبہ کو مُظفّر وارثی کے بارے میں بتائیں اور ان پر واضح کریں کہ اُردو حمدیہ و نعتیہ شاعری میں اُن کا بڑا مقام و مرتبہ ہے۔

۳۔ اساتذہ طلبہ کو حمدیہ شاعری کی روایت کے بارے میں بھی بتائیں۔

۴۔ اساتذہ طلبہ پر "جس نے کی جستجو، مل گیا اُس کو تُو" کا مفہوم واضح کریں۔

۵۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ ستارے اور سیارے میں کیا فرق ہے۔ سورج ایک ستارہ اور زمین ایک سیارہ ہے اور اس نظام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

مولانا ظفر علی خاں

(۱۸۷۳ء-۱۹۵۶ء)

وزیر آباد سے بجانب سیال کوٹ تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں "کرم آباد" آتا ہے۔ چودھری کرم الٰہی، مولانا ظفر علی خاں کے دادا کا نام تھا اور "کرم آباد" بھی انھی کے نام سے منسوب ہے۔ کرم آباد کے قریب ہی ایک چھوٹے سے گاؤں کا نام "کوٹ مہرتھ" ہے جو مولانا ظفر علی خاں کی جائے ولادت ہے۔ ان کے والد کا نام چودھری سراج الدین احمد تھا جو محکمہ ڈاک میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول وزیر آباد، میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول پٹیالہ اور گریجوایشن ایم اے او کالج علی گڑھ سے کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے محکمہ ڈاک میں ملازمت اختیار کر لی مگر جلد ہی اس ملازمت کو خیر باد کہا اور حیدر آباد (دکن) میں ملازمت حاصل کر لی۔ سراج الدین احمد ملازمت سے سبک دوش ہو کر کرم آباد میں مستقل طور پر آ گئے تو انھوں نے ایک انوکھے کام کا آغاز کیا اور اردو زبان میں اخبار "زمیندار" نکالنا شروع کیا جسے وہ گرد و نواح کے زمینداروں کی رہنمائی کے لیے اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے اور ان کے ڈیروں پر پہنچاتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں حیدر آباد (دکن) سے ترکِ ملازمت کر کے کرم آباد آ گئے اور بڑی تن دہی سے اُن کا ہاتھ بٹانے لگے۔ کچھ ہی عرصے بعد وہ "زمیندار" کو لے کر لاہور آ گئے اور اخبار چھاپ کر شائع کرنے لگے۔ بہت کم عرصے میں چاروں طرف "زمیندار" کا چرچا ہو گیا اور عوام نے مولانا ظفر علی خاں کو "بابائے صحافت" کا لقب دیا۔

مولانا ظفر علی خاں بیک وقت ایک قادر الکلام شاعر، شعلہ بیان مقرر، صاحب طرز انشا پرداز، بے باک صحافی، بہترین مترجم اور ایک دلیر سیاست دان ہونے کی حیرت انگیز مثال تھے۔

ہر چند مولانا کی اکثر و بیش تر شاعری ہنگامی صورتِ حال کا تقاضا ہے تاہم انھوں نے حمد و نعت میں وہ مقام پیدا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ اچھی نعت وہی شاعر لکھتا ہے جس کے دل میں رسولِ کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جذبہ موج زن ہو۔ اس لحاظ سے مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی خلوص، عقیدت، جدّتِ طبع اور قدرتِ بیان کا حسین امتزاج ہے اور انھی خوبیوں کی بنا پر شاملِ کتاب نعت زبان زدِ خاص و عام ہے۔

نعت

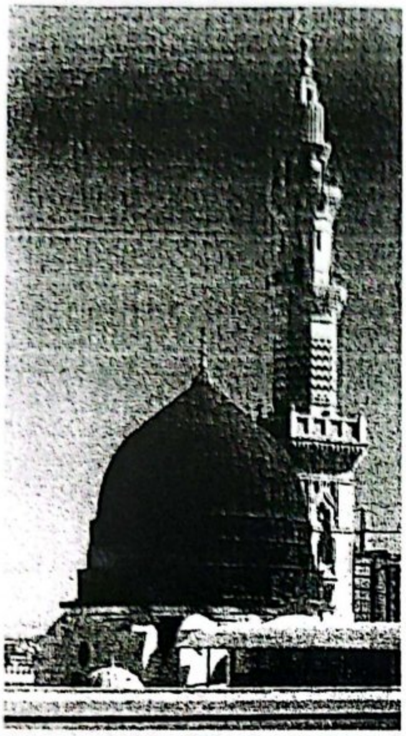

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو صنفِ نظم اور نعت گوئی کے فن کے بارے میں آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو مولانا ظفر علی خاں کی مختصر علمی و ادبی خدمات سے روشناس کرنا۔
طلبہ کو مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کی نمایاں خصوصیات کے بارے میں بتانا۔
۳۔ طلبہ میں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے محبت اور اطاعت و اتباع
۴۔ کے جذبات کو اجاگر کرنا۔
۵۔ طلبہ کو شعری اصطلاحات: مصرع، شعر اور قافیہ، ردیف سے روشناس کرنا اور شعر کی تشریح کرنا سکھانا۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تُمھیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تُمھیں تو ہو

پھُوٹا جو سینۂ شبِ تارِ اَلَست سے
اس نورِ اوّلیں کا اُجالا تُمھیں تو ہو

سب کچھ تمھارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تُمھیں تو ہو

جلتے ہیں جبریلؑ کے پَر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تُمھیں تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاج دارِ یثرب و بطحا تُمھیں تو ہو

دنیا میں رحمتِ دو جہاںؐ اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تُمھیں تو ہو

(بہارستان)

۱۔ شاملِ کتاب نعت کے متن کے مطابق مناسب لفظ لگا کر مصرعے مکمل کریں۔

(الف) دل جس سے زندہ ہے وہ ________ تمھیں تو ہو

(ب) سب غایتوں کی ________ تمھیں تو ہو

(ج) جلتے ہیں ________ کے پر جس مقام پر

(د) اس ________ کا اُجالا تمھیں تو ہو

(ہ) دنیا میں ________ اور کون ہے

۲۔ شاملِ کتاب نعت کے متن سے متعلق نیچے دیے ہوئے سوالوں کے مختصر جواب لکھیں۔

(الف) سینۂ شبِ تارِ الست سے کیا پھوٹا؟

(ب) شاعر کے نزدیک اس کائنات میں سب کچھ کس کے واسطے پیدا کیا گیا؟

(ج) "جلتے ہیں جبریل کے پر جس مقام پر" کی وضاحت واقعۂ معراج کی روشنی میں کریں۔

(د) شاعر کے نزدیک آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہاتھوں نے کسے تھام لیا؟

(ہ) شاعر کے نزدیک جس کی نظیر نہیں ملتی، وہ کون سی ہستی ہے؟

(و) شاعر نے "اے تاجدارِ یثرب و بطحا" کہہ کر کسے مخاطب کیا ہے؟

۳۔ اِعراب لگا کر دُرست تلفّظ واضح کریں۔

شب تار الست	غایت اولی	یثرب و بطحا	نور اولیں	رحمت دو جہاں

شعری اصطلاحات:

مصرع: لفظ "مصرع" کے لغوی معنی کواڑ (دروازے) کا ایک پٹ کے ہیں مگر شعری اصطلاح میں اس سے مراد ہے آدھا شعر یا نصف بیت ہے۔ دوسرے لفظوں میں مصرع بامعنی الفاظ پر مشتمل وہ سطر ہے اگر نثر میں ہو تو فقرہ یا جملہ کہلائے اور اگر نظم میں ہو تو مصرع۔ مثلاً: ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے مصرع کی علامت: ؎ ہے۔

شعر: لفظ "شعر" کے لغوی معنی ہیں: کلام موزوں۔ دو مصرے جو ایک وزن کے ہوں اور ایک خیال کو ظاہر کریں تو وہ شعر یا بیت ہے، مثلاً: ؎ زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا

ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

شعر کی علامت: ؎ ہے۔

قافیہ: ہر شعر کے آخر میں آنے والے الفاظ کو قافیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً: مرزا غالب کی ایک معروف غزل میں قافیہ ہے:

ہُوا، دوا، ماجرا، مدعا، وفا، صدا، بُرا

اور علامہ اقبال کی شاملِ کتاب نظم "جاوید کے نام" میں قافیہ ہے: مقام، شام، کلام، جام، فام، نام

ردیف: لفظ "ردیف" کے لغوی معنی ہیں: گھڑسوار کے پیچھے بیٹھنے والا آدمی مگر شعری اصطلاح میں قافیہ کے بعد آنے والے وہ لفظ یا الفاظ جو جُوں کے توں دُہرائے جائیں، ردیف کہلاتے ہیں۔ جیسے مرزا غالب کی متذکرہ غزل کی ردیف ہے: "کیا ہے" اور علامہ اقبال کی شاملِ کتاب نظم "جاوید کے نام" کی ردیف ہے "پیدا کر"

(۴) شاملِ کتاب "نعت" میں قوافی اور ردیف کی نشان دہی کریں۔

(۵) صنفِ نظم "نعت" اور "منقبت" میں فرق واضح کریں۔

تشریحِ اشعار:

جس شعر کی تشریح کرنا مقصود ہو تو خیال رکھنا چاہیے کہ اس شعر میں بیان کی ہوئی باتوں کی وضاحت کر دی جائے۔ اگر شعر میں کوئی محاورہ یا ترکیب یا تلمیح بیان ہوئی ہے تو اُسے کھول کر بیان کر دیا جائے۔ شعر کی تشریح کی کوئی حد مقرر نہیں ہوتی، یہ جامع بھی ہو سکتی ہے اور خاصی طویل بھی۔ تشریح کے ضمن میں کوئی قول بھی لکھا جا سکتا ہے اور اگر اُسی معنی و مفہوم کا کوئی اور شعر یاد ہے تو وہ بھی لکھنا چاہیے۔ شاملِ کتاب "نعت" کے آخری شعر کی تشریح کم و بیش یوں ہو گی:

دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے

جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تُمھیں تو ہو

شاعر کا نام : مولانا ظفر علی خاں

نظم کا عنوان : نعت

تشریح: مولانا ظفر علی خاں رسولِ اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہیں کہ یا رسولِ کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کے لیے باعثِ رحمت ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت (بناکر)

لہٰذا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا ایمان ہے اور میرے ایمان کا حاصل یہی ہے کہ:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے، سب سے افضل
میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل

چناں چہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس کی دنیا میں کوئی مثال یا نظیر نہیں وہ بے شائبہ آپ کی ذات پاک ہے۔
یعنی باری تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اسی دنیا کے لیے نہیں بلکہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں کے لیے باعثِ رحمت بناکر بھیجا ہے۔
شاعر کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کائنات کے خالق و مالک کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک سب سے عظیم ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: "بعد از خُدا بزرگ توئی قِصّہ مختصر"

(٦) شاملِ کتاب "نعت" کے پہلے دو شعروں کی تشریح کریں۔

سرگرمیاں:

- تمام طلبہ اس نعت کو چارٹ پر خوش خط لکھیں۔ جس کا چارٹ اوّل آئے اسے جماعت کے کمرے میں آویزاں کیا جائے۔
- کوئی خوش الحان طالبِ علم یہ نعت ترنُّم کے ساتھ کلاس میں سُنائے۔
- طلبہ "کلیاتِ ظفر علی خاں" میں سے مولانا ظفر علی خاں کی کوئی اور نعت تلاش کریں اور اسے اپنی کاپی میں لکھیں۔

اشاراتِ تدریس

١۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ صنفِ نظم نعت اور منقبت میں کیا فرق ہے۔
٢۔ اساتذہ طلبہ کو مولانا ظفر علی خاں کے مختصر اُسوانحی حالات بیان کرتے ہوئے واضح کریں کہ اُردو نعتیہ شاعری میں ان کا بڑا اونچا مقام و مرتبہ ہے۔
٣۔ اساتذہ طلبہ پر مولانا ظفر علی خاں کی سیاسی اور ہنگامی شاعری کے مختصر اُذکر کے علاوہ یہ بھی واضح کریں کہ وہ فی البدیہہ شعر کہنے پر حیرت انگیز قدرت رکھتے تھے۔
٤۔ اساتذہ طلبہ کو اُردو نعتیہ شاعری کی روایت سے بھی آگاہ کریں۔
٥۔ اساتذہ نعت کے دوسرے شعر کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن مجید کے حوالے سے قرآنی تلمیح "اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ" کی وضاحت بھی کریں۔
٦۔ اساتذہ طلبہ کو اختصار کے ساتھ واقعۂ معراج سنائیں اور اس واقعے میں حضرت جبریلؑ کے کردار سے بھی آگاہ کریں۔

سیّد سُلیمان نَدوی

(۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء)

سیّد سُلیمان نَدوی ضلع پٹنہ (انڈیا) کے ایک گاؤں دیسنہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلما اعظم گڑھ، جسے علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) نے قائم کیا تھا، سے حاصل کی اور اُسی ادارے سے وابستہ اور علامہ شبلی نعمانی کے خاص تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا شبلی نعمانی اپنی عظیم تصنیف "سیرت النبی" ترتیب دے رہے تھے۔ وہ دو جلدیں ہی ترتیب دے پائے تھے کہ ان کا ناگہانی انتقال ہو گیا تو یہ فریضہ سیّد سُلیمان نَدوی نے اپنے ذمّے لے لیا اور باقی ماندہ چار جلدوں کی بہ طریقِ احسن تکمیل کی۔

سیّد سُلیمان نَدوی کو علامہ شبلی نعمانی کی طرح تاریخ، بالخصوص تاریخِ عالمِ اسلام اور ادب سے خاص لگاؤ تھا۔ چناں چہ انھوں نے سیرت، سوانح، دینِ اسلام اور زبان و ادب کے موضوعات پر تحقیقی کام کیا۔ علامہ اقبالؒ اور سر راس مسعود کے ہم راہ حکومتِ افغانستان کی دعوت پر افغانستان گئے اور وہاں کے حالات قلم بند کیے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی آ گئے۔ حکومتِ پاکستان نے اُن کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں "نشانِ سپاس" پیش کیا۔ کراچی میں انتقال کیا۔ ان کی آخری آرام گاہ اسلامیہ کالج کراچی کے عقب میں ایک احاطے میں واقع ہے۔

سیّد سُلیمان نَدوی کی تدفین کے وقت شام کے سفیر نے کہا تھا کہ ہم سیّد سُلیمان نَدوی کو دفن نہیں کر رہے بلکہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کو دفن کر رہے ہیں۔

سیّد سُلیمان نَدوی کی تصانیف میں: "خطباتِ مدراس"، "عرب و ہند کے تعلقات"، "عربوں کی جہاز رانی"، "سیرتِ عائشہ"، "حیاتِ شبلی"، "نقوشِ سُلیمانی" اور "رحمتِ عالم" شامل ہیں۔ شاملِ کتاب اقتباس اُن کی تصنیف "رحمتِ عالم" سے مستعار ہے جس میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کے اُسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سبق: ۳

اخلاقِ حسنہ

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو اعلانِ نبوّت سے پہلے عربوں میں جاری رسوم و روایات سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو اس اَمر سے آگاہ کرنا کہ آپ خاتم النبیین ﷺ نے تبلیغِ اسلام کے آغاز میں بڑی مشکلات کا سامنا کیا۔
۳۔ طلبہ کو سیرت نگاری اور سیرت النبیؐ کے چیدہ چیدہ نِکات سے روشناس کرنا۔
۴۔ طلبہ کو مولانا شبلی نعمانی کی "سیرت النبیؐ" کو مرتب کرنے میں سیّد سُلیمان ندوی کی خدمات سے آگاہ کرنا۔
۵۔ طلبہ کے دلوں میں اسلامی جذبہ پیدا کرنا اور طلبہ کو اپنے کردار اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب دینا۔
۶۔ نثر پارے کی تشریح کرنے کا انداز سکھانا۔

کسی نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ حُضورِ انور خاتم النبیین ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ انھوں نے کہا: "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہ حُضور خاتم النبیین ﷺ کے اخلاق تھے۔" غرض آپ خاتم النبیین ﷺ کی ساری زندگی قرآنِ مجید کی عملی تفسیر تھی اور یہ بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ خود قرآن نے اس کی شہادت دی اور کہا:

ترجمہ: "بے شک اے محمد (رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ)! آپ حسنِ اخلاق کے بہت بڑے رتبے پر ہیں۔"

حُضور خاتم النبیین ﷺ نہایت خاکسار، ملنسار، مہربان اور رحم دل تھے۔ چھوٹے بڑے سب سے محبّت کرتے، نہایت سخی، فیاض اور داد و دِہش والے تھے۔ اِمکان بھر سب کی درخواست پوری کرتے۔ تمام عمر کسی کے سوال پر "نہیں" نہیں کہا۔ خود بھوکے رہتے اور دوسروں کو کھلاتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ کی شادی ہوئی، اُن کے پاس ولیمے کا کچھ سامان نہ تھا۔ حُضور خاتم النبیین ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، حالاں کہ اُس آٹے کے سوا شام کے لیے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔

فیّاضی اور دنیا کے مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں نقد قسم کی کوئی چیز بھی ہوتی تو جب تک وہ سب خیرات نہ کر دی جاتی آپ خاتم النبیین ﷺ اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے۔ ایک بار فِدک کے رئیس نے چار اونٹوں پر غلّہ بھیجا۔ اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا، پھر بھی بچ رہا۔ آپ خاتم النبیین ﷺ نے کہا: جب تک کچھ بھی باقی رہے گا، مَیں گھر میں نہیں جا سکتا، رات مسجد میں بسر کی۔ دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ وہ غلّہ تقسیم ہو چکا ہے تب گھر میں تشریف لے گئے۔

حُضور خاتم النبیین ﷺ بڑے مہمان نواز تھے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے یہاں مسلمان، مشرک اور کافر سب ہی مہمان ہوتے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ سب کی خاطر کرتے اور خود ہی سب کی خدمت کرتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا، وہ اُن کو کِھلا پلا دیا جاتا اور پورا گھر فاقہ کرتا۔ راتوں کو اُٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے کہ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ گھر

میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ اپنے پھٹے کپڑے آپ سی لیتے، اپنے پھٹے جوتے کو خود گانٹھ لیتے، بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دوہتے۔ مجمع میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھتے۔ مسجدِ نبوی کے بنانے اور خندق کھودنے میں سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپ خاتم النبیین ﷺ نے بھی کام کیے۔

غریبوں کے ساتھ آپ خاتم النبیین ﷺ کا برتاؤ ایسا ہوتا کہ اُن کو اپنی غریبی محسوس نہ ہوتی۔ اُن کی مدد فرماتے اور اُن کی دل جوئی کرتے۔ اکثر دعا مانگتے تھے کہ خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر۔

آپ خاتم النبیین ﷺ مظلوموں کی فریاد سنتے اور انصاف کے ساتھ اُن کا حق دلاتے۔ کم زوروں پر رحم کھاتے، بے کسوں کا سہارا بنتے، مقروضوں کا قرض ادا کرتے۔ حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمے قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کر دوں گا اور وہ جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے، مجھے اُس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ بیماروں کو تسلّی دیتے، ان کو دیکھنے جاتے۔ دوست، دشمن اور مومن و کافر کی اس میں کوئی قید نہ تھی۔ گناہ گاروں کو معاف کر دیتے، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔

ہم سایوں کی خبر گیری فرماتے۔ اُن کے ہاں تحفے بھیجتے، اُن کا حق پورا کرنے کی تاکید فرماتے رہتے۔ ایک دن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مجمع تھا، آپ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "خدا کی قسم وہ مومن نہ ہو گا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہ ہو گا۔" صحابہ نے پوچھا: "کون یا رسول اللہ ؟" فرمایا: "جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بچا ہوا نہ ہو۔"

آپ خاتم النبیین ﷺ پڑوسیوں کے گھر جا کر ان کے کام کر آتے۔ پڑوسیوں کے سوا اور جو بھی آپ خاتم النبیین ﷺ سے کسی کام کے لیے کہتا، اُس کو پورا فرماتے۔ بیوہ ہو یا مسکین یا کوئی اور ضرورت مند، سب ہی کی ضرورتوں کو آپ خاتم النبیین ﷺ پورا فرماتے اور دوسروں کے کام کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے۔

بچّوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، اُن کو چومتے اور پیار کرتے تھے۔ فصل کا نیا میوہ سب سے کم عمر بچّہ جو اُس وقت موجود ہوتا، اُس کو دیتے۔ راستے میں بچے مل جاتے تو خود اُن کو سلام فرماتے۔

اسلام سے پہلے عورتیں ہمیشہ ذلیل رہی ہیں لیکن ہمارے حُضور خاتم النبیین ﷺ نے اُن پر بہت احسان فرمایا۔ اُن کے حقوق مقرر فرمائے اور اپنے برتاؤ سے ظاہر فرمادیا کہ یہ طبقہ حقیر نہیں ہے بلکہ عزت اور ہمدردی کے لائق ہے۔ آپ خاتم النبیین ﷺ کے پاس ہر وقت مردوں کا مجمع رہتا تھا۔ عورتیں دلیری اور بے تکلفی سے آپ خاتم النبیین ﷺ سے مسائل پوچھتیں، لیکن آپ خاتم النبیین ﷺ بُرا نہ مانتے، اُن کی خاطر داری کا خیال رکھتے تھے۔

آپ خاتم النبیین ﷺ ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے تھے۔ اس لیے کسی کے ساتھ بھی زیادتی اور ناانصافی کو پسند نہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ لوگ جو بے پروائی برتتے تھے، وہ بھی آپ خاتم النبیین ﷺ کو گوارا نہ تھی اور اُن بے زبانوں

پر تو ظلم ہوتا آیا تھا، اس کو روک دیا۔

آپ ﷺ کی نظر میں امیر و غریب سب برابر تھے، قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، جن کو آپ ﷺ بہت چاہتے تھے، سفارش کرائی۔ حضور ﷺ نے سب سے فرمایا: "تم سے پہلے کی قومیں اس لیے برباد ہو گئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب معمولی آدمی جرم کرتا تو وہ سزا پاتا۔ خدا کی قسم! اگر محمد (رسول اللہ ﷺ) کی بیٹی بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں نے دس برس آپ ﷺ کی خدمت میں گزارے مگر آپ ﷺ نے نہ کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا۔ آپ ﷺ نے تمام عمر کبھی کسی کو نہیں مارا اور یہ کیا عجیب بات ہے کہ ایک فوج کا جرنیل، جس نے مسلسل نو برس لڑائیوں میں گزارے اور جس نے کبھی لڑائی کے میدان سے مُنھ نہیں موڑا، اپنے دشمن پر کبھی تلوار نہیں اُٹھائی اور نہ اپنے ہاتھ سے کسی پر وار کیا۔ اُحد کے میدان میں جب ہر طرف سے آپ ﷺ پر، پتھروں، تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی، آپ ﷺ اپنی جگہ کھڑے تھے اور جاں نثار دائیں بائیں کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اِسی طرح حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمان غازیوں کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے، حُضور ﷺ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑے تھے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں، لڑائی کے اکثر معرکوں میں آپ ﷺ وہاں ہوتے تھے جہاں بڑے بڑے بہادر کھڑا ہونا اپنی شجاعت کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے مگر ایسے خوفناک مقاموں میں رہ کر بھی دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

سال ہا سال کی ناکامی کی تکلیفوں کے بعد بھی کبھی مایوسی نے آپ ﷺ کے دل میں راہ نہ پائی اور آخر وہ دن آیا جب آپ ﷺ اکیلے سارے عرب پر چھا گئے۔ مکّے کی تکلیفوں سے گھبرا کر ایک صحابی نے درخواست کی: "یارسول اللہ! آپ ہم لوگوں کے لیے کیوں مدد کی دعا نہیں فرماتے؟" یہ سُن کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: "تم سے پہلے جو لوگ گزرے، اُن کو آروں سے چیر اگیا، اُن کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئیں، جس سے گوشت پوست سب کٹ جاتا لیکن یہ تکلیفیں بھی اُن کو حق سے نہ پھیر سکیں۔ خدا کی قسم! دینِ اسلام اپنے کمال کے مرتبے پر پہنچ کر رہے گا یہاں تک کہ صنعا (یمن) سے حضر موت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا جائے گا کہ اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔"

آپ ﷺ کا وہ عزم اور استقلال یاد ہو گا جب آپ ﷺ نے اپنے چچا کو جواب دیا تھا:

"چچا جان! اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی حق کے اعلان سے باز نہ رہوں گا۔"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بھوکا آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے ازواجِ مطہراتؓ میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا۔ جواب آیا، گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے گھروں میں آدمی بھیجا۔ وہاں سے بھی

یہی جواب آیا۔ غرض آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں نکلی۔

ایک دن آپ ﷺ بھوک میں ٹھیک دوپہر کو گھر سے نکلے۔ راستے میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملے۔ یہ دونوں بزرگ بھی بھوکے تھے۔ آپ ﷺ اُن کو لے کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئے۔ اُن کو خبر ہوئی تو دوڑے آئے اور باغ سے جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا اور سامنے لا کر رکھا۔ آنحضرت ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا: "یہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے یہاں بھجواؤ، اُس کو کئی دن سے کھانا نصیب نہیں ہوا۔"

آنحضرت ﷺ نے جب وفات پائی تو حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی زِرہ، تین سیر جَو پر ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔ جن کپڑوں میں وفات ہوئی اُن میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔

مزاجِ مبارک میں سادگی بہت تھی۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلّف پسند نہ تھا۔ جو سامنے آجاتا وہ کھا لیتے۔ پہننے کے لیے موٹا جھوٹا جو مل جاتا اس کو پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ خدا کی نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اُٹھانے کی اجازت آپ ﷺ نے ضرور دی لیکن تن پروری اور عیش نہ اپنے لیے پسند فرمایا نہ عام مسلمانوں کے لیے۔

صفائی کا خاص خیال رہتا۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے۔ گفت گو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے۔ ایک ایک فقرہ الگ ہوتا۔ کسی کی بات کاٹ کر گفت گو نہ فرماتے۔ جو بات ناپسند ہوتی اُس کو ٹال دیتے۔ زیادہ تر چپ رہتے اور بے ضرورت گفت گو نہ فرماتے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔

دنیا سے بے رغبتی کے باوجود آپ ﷺ کو خشک مزاجی اور رُوکھا پن پسند نہ تھا، کبھی کبھی دل چسپی کی باتیں فرماتے۔ ایک بار ایک بُڑھیا آپ ﷺ کے پاس آئی اور جنّت کے لیے دعا کی خواہش کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بُڑھیاں جنّت میں نہ جائیں گی۔ اس کو بہت رنج ہوا۔ روتی ہوئی واپس چلی گئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ اُس سے کہ دو کہ بُڑھیاں جنّت میں نہ جائیں گی مگر جوان ہو کر جائیں گی۔

آپ ﷺ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں لگے رہتے۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے غرض ہر وقت اس کی خوشی کی تلاش رہتی اور ہر حالت میں دل اور زبان سے اللہ کی یاد جاری رہتی۔ رات کا بڑا حصّہ خدا کی یاد میں بسر ہوتا۔ کبھی پوری پوری رات نماز میں کھڑے رہتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بڑے پیارے پیغمبر تھے، پھر بھی فرمایا کرتے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی۔

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا تو آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روتے روتے اس قدر ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ معلوم ہو رہا تھا کہ چکّی چل رہی ہے یا ہانڈی اُبل

رتی ہے۔ ایک بار آپ ﷺ ایک جنازے میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور یہ منظر دیکھ کر رونے لگے، یہاں تک کہ زمین تر ہوگئی۔ پھر فرمایا: "بھائیو! اس دن کے لیے سامان کر رکھو۔"
(رحمتِ عالم)

مشق

(۱) درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) رسولِ کریم ﷺ کی ساری زندگی قرآن مجید کی تھی:

(الف) تشریح (ب) وضاحت (ج) تفسیر (د) عملی تفسیر

(ii) فدک کے رئیس نے غلّہ بھیجا:

(الف) دو اونٹوں پر (ب) تین اونٹوں پر (ج) چار اونٹوں پر (د) پانچ اونٹوں پر

(iii) آپ ﷺ کا فرمان ہے: "خدا کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی ______ سے بچا ہوا نہ ہو۔"

(الف) ریشہ دوانیوں (ب) فتنہ انگیزیوں (ج) سازشوں (د) شرارتوں

(iv) آپ ﷺ فصل کا میوہ سب سے پہلے عطا فرماتے:

(الف) کم عمر بچے کو (ب) نوجوان کو (ج) اُدھیڑ عمر کو (د) ضعیف العمر کو

(v) آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا عرصہ لڑائیوں میں بسر ہوا:

(الف) آٹھ برس (ب) نو برس (ج) دس برس (د) گیارہ برس

(vi) حضرت ______ کو آپ ﷺ کے گھر آنے کی خبر ہوئی تو وہ باغ سے جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے۔

(الف) عثمان غنیؓ (ب) ابو ایوب انصاریؓ (ج) ابو عبیدہؓ (د) سلمان فارسیؓ

(۲) سبق "اخلاقِ حسنہ" کے متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) کس سے پوچھا گیا کہ حضورِ انور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟

(ب) آپ ﷺ گھر کے کس نوعیت کے کام کاج کرنے کو عار نہیں سمجھتے تھے؟

(ج) خندق کھودتے وقت آپ ﷺ نے کیا کام انجام دیا؟

(د) اگر کسی ایسے شخص کا انتقال ہوتا جس کے ذمّے قرض ہوتا اور اس کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد تھا؟

(ہ) آپ ﷺ کا پڑوسیوں کے بارے میں کیسا سلوک روا رکھنے کا فرمان ہے؟

(۳) نیچے دی ہوئی تراکیب کے معانی لکھیں اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

حضورِ انورؐ	حسنِ اخلاق	داد و دہش	مسجدِ نبویؐ	چہرۂ مبارک	عزم و استقلال	

(۴) دیے ہوئے واحد الفاظ کے جمع لکھیں۔

اخلاق	معجزہ	فرمان	رئیس	مسکین	سفارش	جاں نثار	باغ	اعلان

(۵) دیے ہوئے جمع الفاظ کے واحد بنائیں۔

ہچکیاں	گناہ گاروں	عنہم	صحابہ	ازواج	وارثوں	مسائل	کنگھیاں	کھجوروں	

نثر پارے کی تشریح

(۶) نیچے دیے ہوئے نثر پارے کی تشریح کریں۔ تشریح سے پہلے مصنف کا نام، سبق کا عنوان اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیں۔

"مزاجِ مبارک میں سادگی بہت تھی۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کسی چیز میں تکلّف پسند نہ تھا۔ پہننے کے لیے موٹا جھوٹا جو مل جاتا، اس کو پہن لیتے۔ زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ خدا کی نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اُٹھانے کی اجازت آپ نے ضرور دی لیکن تن پروری اور عیش نہ اپنے لیے پسند فرمائی نہ عام مسلمانوں کے لیے۔"

مصنف کا نام : سیّد سُلیمان ندوی

سبق کا عنوان : اخلاقِ حسنہ

مشکل الفاظ کے معانی

مزاجِ مبارک	بابرکت طبیعت	نعمتوں	اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں
تکلّف	ظاہر داری، بناوٹ	تن پروری	بدن کو پالنا، آرام طلبی

تشریح:

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف (سیّد سُلیمان ندوی) رسولِ پاک کی طبیعت کے طور طریقے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسولِ اکرم کی طبیعت میں سادگی بہت تھی اور وہ ہر کام میں سادگی پسند کرتے تھے۔ اُٹھنے بیٹھنے کا معاملہ ہوتا، کھانے پینے کا یا پھر لباس پہننے اور اوڑھنے کا، کسی چیز میں بھی آرام طلب نہ تھے اور نہ ہی آرام طلبی کو اپنے نزدیک آنے دیتے تھے۔

سیّد سُلیمان ندوی آپ کی عادات و اطوار کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ آپ کی طبیعت میں

سادگی اس قدر زیادہ تھی کہ جو کچھ کھانے پینے کو سامنے آجاتا، بغیر کسی ناگواری کا اظہار کیے خوش دلی کے ساتھ کھاپی لیتے اور جو کچھ لباس پہننے کو مل جاتا خوشی خوشی پہن لیتے۔ اگر بیٹھنا ہوتا تو جہاں جگہ ملتی، وہیں بیٹھ جاتے اور یہ کبھی نہیں کہا تھا کہ میں تو صرف چٹائی پر یا پکّے فرش پر بیٹھوں گا۔

مصنف آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سادگی کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ چیزوں کو جائز طریقے سے استعمال کرنے کی اجازت ضرور دی لیکن ان چیزوں سے نہ تو خود ناجائز فائدہ اٹھایا اور نہ ہی مسلمانوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت دی۔ اگر کوئی مسلمان چیزوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو ہرگز پسند نہ فرماتے۔

۷) مندرجہ بالا نثر پارے کی تشریح کی روشنی میں درج ذیل نثر پارے کی تشریح کریں اور مصنف کا نام اور سبق کا عنوان بھی دیں۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بڑے مہمان نواز تھے ـــــــ سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کام کیا۔

سرگرمیاں:

- طلبہ ہجرتِ مدینہ اور مؤاخاتِ مدینہ کے موضوع پر اپنے خیالات کلاس میں پیش کریں۔
- "آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک" پر ایک پیراگراف لکھیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ سوانح عمری اور سیرت نگاری میں کیا فرق ہے۔

۲۔ اساتذہ طلبہ کو سیّد سُلیمان نَدوی کے سوانحی حالات بیان کرتے ہوئے انھیں آگاہ کریں کہ مولانا شبلی نعمانی "سیرت النبی" کی چھے جلدوں میں سے پہلی دو جلدوں کی تکمیل ہی کر پائے تھے کہ ناگہانی طور پر اُن کا انتقال ہو گیا اور باقی ماندہ جلدیں ان کے شاگردِ رشید سیّد سُلیمان نَدوی نے ان کے فراہم کردہ مواد سے مکمّل کیں۔

۳۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ سیّد سُلیمان نَدوی نے سیرت النبیؐ کے موضوع پر "رحمتِ عالمؐ" بچّوں، خصوصاً طالب علموں کے لیے لکھی ہے۔

۴۔ اساتذہ طلبہ کو اعلانِ نبوّت سے پہلے عربوں کے ناگفتہ بہ حالات و واقعات سے آگاہ کریں اور انھیں "مسدّسِ حالی" پڑھنے کی ترغیب دیں۔

۵۔ اساتذہ طلبہ سے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق و عادات کے حوالے سے ایک فہرست مرتّب کرائیں جس میں آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسی بھی عادت کا ایک بار سے زیادہ ذکر نہ ہو۔

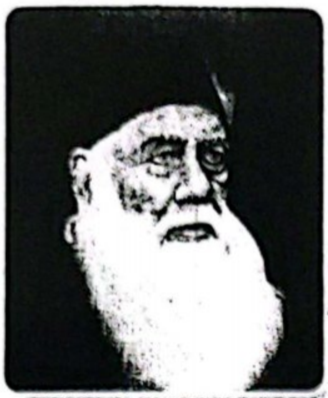

سر سیّد احمد خاں

(۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء)

سر سیّد احمد خاں کی جائے ولادت دہلی ہے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنی والدہ سے حاصل کی جو خاصی تعلیم یافتہ اور روشن خیال تھیں۔ تعلیم پانے کے بعد پہلے مغلیہ دربار سے وابستہ ہوئے، بعد ازاں انگریزی عمل داری میں ملازمت اختیار کرلی اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر محکمہ انصاف میں ترقی کر کے صدر الصدور (مُنصفِ اعلیٰ) کے عہدے پر فائز ہوئے۔

سر سیّد احمد خاں کی زندگی کا اہم مشن ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد اُس وقت شروع ہوا جب کچھ زعما کو مسلمانوں کے روبہ زوال ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔ سر سیّد نے جنگِ آزادی کی ناکامی اور مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر غور کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ امتِ مسلمہ کے اِحیا اور اس کی ترقی جدید تعلیمات کے حصول میں مضمر ہے اور جب تک مسلمان قوم جدید علوم و فنون خصوصاً سائنسی علوم میں مہارت حاصل نہ کرے گی، وہ ترقی نہیں کرسکتی، چناں چہ وہ اس مقصد کے حصول کے لیے پورے انہماک سے جادۂ عمل پر گام زن ہوگئے۔ اس ضمن میں انھوں نے دوسرے اقدامات کے لیے علی گڑھ میں انگریزی طرز کے ایک سکول کی بنیاد رکھی جسے ۱۸۷۷ء میں کالج کا درجہ دے دیا گیا اور جو تھوڑے ہی عرصے میں برِ عظیم کے مسلمانوں کے لیے علوم و فنون کے احیا کا مرکز قرار پایا۔

سر سیّد احمد خاں کے دوسرے اہم کارناموں میں ۱۸۷۰ء میں رسالہ "تہذیب الاخلاق" کا اجرا شامل ہے جس میں سر سیّد نے مسلمانوں کے اصلاحِ احوال اور تہذیب و ترقی کے لیے خود بھی اَن گنت مضامین لکھے اور اپنے ہم عصر انشا پردازوں کو بھی اس طرف راغب کیا۔ جب سر سیّد احمد خاں نے اِنتقال کیا تو قوم کسی حد تک اپنے خوابِ گراں سے جاگ چکی تھی۔

سر سیّد احمد خاں نہ صرف اُردو مضمون نویسی کے بانی ہیں بلکہ جدید اُردو نثر کے بیش تر رویّوں کا آغاز بھی انھوں نے ہی کیا۔ ان کی تحریروں میں عقلیت، مقصدیت، استدلال اور سادگی کی تمام صفات موجود ہیں۔ ان کی تصانیف میں "آثار الصنادید" اور "خطباتِ احمدیہ" کے علاوہ وہ اَن گنت مضامین شامل ہیں جو "مقالاتِ سر سیّد" کے عنوان سے سولہ جلدوں میں شائع ہوچکے ہیں۔ شاملِ کتاب سبق "اپنی مدد آپ" "مقالاتِ سر سیّد" کی جلد پنجم میں سے ایک ہے جس کا مرکزی خیال یہ قول ہے: "خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔"

اپنی مدد آپ

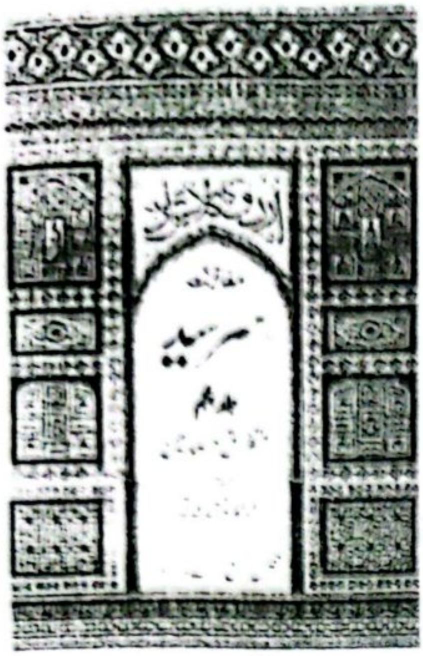

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو اپنی مدد آپ کے جذبے سے آگاہ کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرنا۔

۲۔ طلبہ کو اس مقولے کے الفاظ "خدا ان کی مدد کرتا ہے، جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں" سے آگاہ کرنا اور اس حوالے سے قرآنی تعلیمات کا حوالہ دینا اور مولانا ظفر علی خاں کے اس شعر کی بنیاد پر سبق کی تفہیم کرنا:

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۳۔ طلبہ کو الف بائی ترتیب اور لغات کا استعمال، متلازم یا گروہی الفاظ، کسی سبق کا مرکزی خیال یا خلاصہ اور مضمون لکھنا سکھانا۔

"خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔"

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے فقرے میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ ایک شخص میں اپنی مدد کرنے کا جوش اس کی سچی ترقی کی بنیاد ہے اور جب یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جاوے تو وہ قومی ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔ جب کہ کسی شخص کے لیے یا کسی گروہ کے لیے کوئی دوسرا کچھ کرتا ہے تو اُس شخص میں سے یا اُس گروہ میں سے وہ جوش اپنی مدد آپ کرنے کا کم ہو جاتا ہے اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اس کے دل سے مٹتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ غیرت، جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے اور اسی کے ساتھ عزت جو اصلی چمک دمک انسان کی ہے، از خود جاتی رہتی ہے اور جب کہ ایک قوم کی قوم کا یہ حال ہو تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔

آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسے کرتے جاتے ہیں، خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسا گورنمنٹ ہی پر کیوں نہ کریں، وہ اسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔

یہ ایک نیچر کا قاعدہ ہے کہ جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے یقینی اسی کے موافق اس کے قانون اور اسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود اپنی پنسال میں آجاتا ہے، اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے اور جاہل و خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے۔ تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت بہ نسبت وہاں کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اس ملک کی رعایا کے چال چلن، اخلاق و عادت، تہذیب و شائستگی پر منحصر ہے، کیونکہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے اور ایک قوم کی تہذیب در حقیقت ان مرد و عورت و بچوں کی شخصی ترقی ہے، جن سے وہ قوم بنی ہے۔

Scanned with CamScanner

قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت، شخصی عزّت، شخصی ایمان داری، شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزّل مجموعہ ہے شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شخصی خود غرضی کا اور شخصی برائیوں کا۔ ناتہذیبی و بد چلنی جو اخلاقی و تمدنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے، در حقیقت وہ خود اسی شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کر دیں تو یہ برائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقّی نہ کی جاوے۔

اے میرے عزیز ہم وطنو! اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تمھاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہو، تا کہ تم بھی ایک معزز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا، بات چیت کا، وضع و لباس کا، سیر سپاٹے کا، شغل و اشغال کا، تمھاری اولاد کے لیے، اس سے ان کے شخصی چال چلن، اخلاق و عادات، نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلاّ۔ جب کہ ہر شخص اور کُل قوم خود اپنی اندرونی حالتوں سے آپ اپنی اصلاح کر سکتی ہے تو اس بات کی امید پر بیٹھے رہنا کہ بیرونی زور انسان کی یا قوم کی اصلاح و ترقی کرے کس قدر افسوس بلکہ نادانی کی بات ہے۔

وہ شخص در حقیقت غلام نہیں ہے جس کو ایک خدا ناترس نے جو اس کا ظالم آقا کہلایا جاتا ہے خرید لیا ہے، یا ایک ظالم اور خود مختار بادشاہ یا گورنمنٹ کی رعیت ہے بلکہ در حقیقت وہ شخص اصلی غلام ہے جو بد اخلاقی، خود غرضی، جہالت اور شرارت کا مطیع اور اپنی خود غرضی کی غلامی میں مبتلا اور قومی ہمدردی سے بے پرواہ ہے۔ وہ قومیں جو اس طرح دل میں غلام ہیں وہ بیرونی زوروں سے، یعنی عمدہ گورنمنٹ یا عمدہ قومی انتظام سے آزاد نہیں ہو سکتیں جب تک کہ غلامی کی یہ دلی حالت دُور نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح و ترقی گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر منحصر ہے، اُس وقت تک کوئی مستقل اور برتاؤ میں آنے کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گو کیسی ہی عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ یا انتظام میں کی جاویں، وہ تبدیلیاں فانوسِ خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خضر ملے، گورنمنٹ فیّاض ہو اور ہمارے سب کام کر دے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز ہمارے لیے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اس کو ہادی اور رہ نما بنایا جاوے تو تمام قوم کی دلی آزادی کو برباد کر دے اور آدمیوں کو انسان پرست بنا دے۔ حقیقت میں ایسا ہونا قوّت کی پرستش ہے اور اس کے نتائج انسان کو ایسا ہی حقیر بنا دیتے ہیں، جیسے کہ صرف دولت کی پرستش سے انسان حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔

بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ جس وقت لوگ اس کو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاویں گے تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاویں گے۔ اوروں پر بھروسے اور اپنی مدد آپ یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے اور پہلا خود انسان کو۔

انسان کی اگلی پشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل در نسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ محنتی اور مستقل مزاج محنت کرنے والوں، زمین کے جوتنے والوں، کانوں کے کھودنے والوں، نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنے والوں، مخفی باتوں کو ڈھونڈ کر نکالنے والوں، آلاتِ جرِ ثقیل سے کام لینے والوں اور ہر قسم کے پیشہ کرنے والوں، ہنرمندوں، شاعروں، حکیموں، فیلسوفوں، ملکی منتظموں نے انسان کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہنچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے اور اس کو ایک اعلیٰ درجے پر پہنچایا ہے۔ ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب و شائستگی کی عمارت کے معیار ہیں، لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت اور علم و ہنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت میں تھی، ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔

رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اس زرخیز اور بے بہا جائیداد کا وارث کیا ہے جو ہمارے پرکھوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی اور وہ جائیداد ہم کو اس لیے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثلِ مارِ سر گنج اس کی حفاظت ہی کیا کریں، بلکہ ہم کو اس لیے دی گئی ہے کہ اس کو ترقی دیں اور ترقی یافتہ حالت میں آیندہ نسلوں کے لیے چھوڑ جاویں، مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہماری قوم نے ان پرکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد کو بھی گرا دیا۔

ایک نہایت عاجز و مسکین غریب آدمی جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیز گاری اور بے لگاؤ ایمان داری کی نظیر دکھاتا ہے، اس شخص کا اس کے زمانے میں اور آیندہ زمانے میں اس کے ملک، اس کی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے کیوں کہ اس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن گو معلوم نہیں ہوتا، مگر اور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے اور آیندہ کی نسل کے لیے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے۔

ہر روز کے تجربے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی چال چلن ہی میں یہ قوّت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے اور حقیقت میں یہی ایک نہایت عمدہ عملی تعلیم ہے۔ یہ پچھلا علم وہ علم ہے، جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے عمل، چال چلن، تعلیمِ نفسی، نفس کشی، شخصی خوبی، قومی مضبوطی، قومی عزّت حاصل ہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے اور زندگی کے کاروبار کرنے اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے ہوتی ہے اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اس کے علم کو باعمل، یعنی اس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابلِ ادب بناتا ہے۔

(مقالاتِ سر سیّد، جلد پنجم)

●●

مشق

(۱) سبق "اپنی مدد آپ" کے متن کے حوالے سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) "خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں۔" یہ ایک نہایت آزمودہ ہے:

(الف) ترکیب (ب) مقولہ (ج) محاورہ (د) ضرب المثل

(ii) ایک شخص میں اپنی مدد آپ کرنے کا جوش ہے اُس کی:

(الف) تنزلی کی بنیاد (ب) شہرت کی بنیاد (ج) عزّت کی بنیاد (د) ترقی کی بنیاد

(iii) جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے یقینی اس کے قانون اور مناسبِ حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ یہ ایک قاعدہ ہے:

(الف) ہر ملک کا (ب) ہر قوم کا (ج) ہر معاشرے کا (د) نیچر کا

(iv) انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کا خیال ہے کہ ملے کوئی:

(الف) خضر (ب) سخی (ج) حکمران (د) وزیر باتدبیر

(v) "اوروں پر بھروسا" اور "اپنی مدد آپ" یہ دونوں اُصول ایک دوسرے سے ہیں:

(الف) بالکل مخالف (ب) بالکل موافق (ج) قطعاً حسبِ حال (د) بالکل ہم وار

(۲) سبق "اپنی مدد آپ" کے متن کے مطابق سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) وہ کون سا آزمودہ مقولہ ہے جس میں انسانوں کا اور قوموں کا تجربہ جمع ہے؟

(ب) سر سیّد احمد خاں کے خیال میں کون سی قوم ذلیل و بے عزّت ہو جاتی ہے؟

(ج) نیچر کا قاعدہ کیا ہے؟

(د) بیرونی کوششوں سے برائیوں کو ختم کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

(ہ) دنیا کی معزز قوموں نے کس خوبی کی بنا پر عزّت پائی ہے؟

(۳) سبق "اپنی مدد آپ" کے متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جملے مکمل کریں۔

(الف) خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی ______ کرتے ہیں۔

(ب) جس طرح کہ پانی خود اپنی ______ میں آجاتا ہے۔

(ج) قوم شخصی ______ کا مجموعہ ہے۔

(۶) قوم کی سچی ہمدردی اور سچی ______ کرو۔

(۷) ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی ______ ملے۔

الف بائی ترتیب اور لغات کا استعمال

اگر الفاظ کو اس ترتیب سے لکھا جائے کہ حروفِ تہجی کی ترتیب میں آنے والے حروف سے شروع ہونے والے الفاظ پہلے اور بعد میں آنے والے حروف سے شروع ہونے والے الفاظ بعد میں لکھے جائیں تو الفاظ کی ایسی ترتیب کو "حروفِ تہجی" یا "الف بائی ترتیب" کہتے ہیں۔ اُردو، انگریزی اور دیگر تمام زبانوں کی لغات میں الفاظ کو اسی ترتیب سے لکھا جاتا ہے۔ اس طرح لفظوں کی تلاش اور انھیں مرتّب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

۴۔ الف بائی ترتیب کے تصوّر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل الفاظ کو الف بائی ترتیب سے لکھیں۔

تجربہ	نیچر	تہذیب	پُرکھوں	فیّاض	پرستش
آزمودہ	پنسال	خیر خواہی	خضر	معمار	آیندہ

متلازم یا گروہی الفاظ

کچھ الفاظ اپنی نوعیّت کے لحاظ سے منفرد ہو جاتے ہیں اور جب ہم اُن الفاظ کو اپنی زبان پر لاتے ہیں تو ان سے متعلق یا منسلک بہت سے دیگر الفاظ ذہن میں آجاتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو متلازم یا گروہی الفاظ کہتے ہیں، مثلاً: چڑیا گھر کا لفظ ذہن میں آتے ہی بہت سارے جانور ہمارے تصوّر میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح کسی درخت کا خیال آتے ہی اس کی شاخیں، پتّے، پھول، تنا اور جڑ وغیرہ کا خیال ذہن میں آجاتا ہے۔

۵۔ ذیل میں کچھ ایسے ہی متلازم یا گروہی الفاظ دیے جا رہے ہیں۔ آپ اُن سے متعلق یعنی اُن کی رعایت کے کم از کم چار الفاظ سوچ کر لکھیں۔

(الف) چمن: ______

(ب) گھر: ______

(ج) مدرسہ: ______

(د) دفتر: ______

(ہ) سمندر: ______

(و) ویگن: ______

Scanned with CamScanner

مضمون لکھنا

مضمون نثر کی ایک ایسی قسم ہے جس میں کسی بھی موضوع پر اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔ مضمون میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس موضوع پر آپ لکھ رہے ہیں، اس کے بارے میں آپ کتنی معلومات رکھتے ہیں اور اپنے خیالات کا اظہار کس طرح کرتے ہیں؟ یاد رکھیے ہر مضمون ہمیشہ تین حصّوں پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔ ابتدائیہ ۲۔ نفسِ مضمون ۳۔ اختتامیہ

ابتدائیہ: موضوع کے انتخاب کے بعد مضمون کی ابتدا میں موضوع کا تعارف لکھا جاتا ہے۔ ابتدائیہ نہایت جامع اور مختصر ہونا چاہیے اور ایسے دل نشین انداز میں لکھنا چاہیے کہ اس کے پڑھنے کے بعد قاری نہ صرف نفس مضمون سے ایک حد تک آگاہ ہو جائے بلکہ وہ اپنے آپ کو آیندہ مضمون پڑھنے کے لیے بھی آمادہ پائے۔

نفسِ مضمون: یہ حصّہ مضمون کی مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ مضمون نگار کو چاہیے کہ وہ اپنے خیالات کو ایک خاص ترتیب کے مطابق پیراگرافوں میں تقسیم کر کے لکھے۔ مشکل الفاظ کے بجائے سادہ، عام فہم اور بول چال کی زبان لکھے، البتہ جہاں ضروری ہو، وہاں تشبیہات، اشعار، ضرب الامثال، مشاہیر کے قول اقوال، احادیث اور قرآنی آیات سے بھی کام لے مگر ایک بات کو بار بار نہ دہرائے۔ زبان کی اغلاط سے بچے، کیوں کہ زبان کی اغلاط سے مضمون کا حسن غارت ہو جاتا ہے۔

اختتامیہ: مضمون کے خاتمے پر موضوع کی تمام تفصیلات کو سمیٹ کر چند سطروں میں بیان کرنا چاہیے۔ مضمون کا خاتمہ ایسا مؤثر اور دل پذیر ہونا چاہیے کہ موضوع کے تمام ضروری نِکات قاری کی نظروں کے سامنے آجائیں۔

مرکزی خیال یا خلاصہ لکھنا

کسی سبق کا مرکزی خیال تو فقط تین یا چار سطروں پر مشتمل ہوتا ہے مگر سبق کا خلاصہ خاصا طویل ہوتا ہے اور بعض اوقات سبق کے برابر یا اس سے بھی طویل ہو جاتا ہے۔ دراصل خلاصے میں اسی ترتیب سے وہ باتیں لکھی جاتی ہیں جو سبق میں بیان کی جاتی ہیں مگر ایک تو خلاصہ سرخیاں دے کر نہیں لکھا جاتا، دوسرے خلاصے میں کوئی شعر بھی نہیں لکھا جاتا کیوں کہ کوئی شعر یا کوئی واقعہ وغیرہ لکھنا ضروری ہوتا تو مصنّف اس کا اندراج خود کرتا۔

(۶) مرکزی خیال یا خلاصہ لکھنے کے اُصولوں کی روشنی میں سبق "اپنی مدد آپ" کا خلاصہ لکھیں۔

(۷) درج ذیل اقتباس کی تشریح لکھیں۔ تشریح سے پہلے، مصنّف کا نام اور سبق کا عنوان بھی دیں۔

(الف) قومی ترقی مجموعہ ہے، شخصی محنت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حالتوں کو ترقی نہ کی جاوے۔

(ب) بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پہلا خود انسان کو۔

Scanned with CamScanner

سرگرمیاں:

- کلاس کا ایک طالب علم سکول لائبریری یا کہیں اور سے مقالاتِ سرسیّد کی جلد پنجم حاصل کرے اور اس میں سے ایک اور مضمون "آزادیِ رائے" پڑھ کر اپنے ساتھیوں کو سنائے۔
- کلاس کے تمام طالب علم مولانا ظفر علی خاں کے اس شعر کو:

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

چارٹ کی صورت میں لکھیں جس کا چارٹ اوّل آئے، اُسے جماعت کے کمرے میں آویزاں کیا جائے۔

- جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن دُرست
اللہ آبرو سے رکھے اور تن دُرست

نظیر اکبر آبادی کے اس شعر کے مفہوم کے مدِ نظر "صحت و صفائی" یا "تن درستی ہزار نعمت ہے" کے موضوع پر ایک مضمون لکھیں اور اِس مضمون کو جماعت میں سنائیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو مقولہ "خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں" کی وضاحت کریں اور طلبہ کو اس ضمن میں قرآنی تعلیمات سے بھی آگاہ کریں۔

۲۔ اساتذہ طلبہ سے "اپنی مدد آپ" کے اصول کے پیشِ نظر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کی تشریح کروائیں:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے مِلّت کے مقدّر کا ستارا

۳۔ اساتذہ "پاکستان کی معاشی پس ماندگی کے اسباب" میں سے چند اسباب طالب علموں کے گوش گزار کریں۔

● ● ●

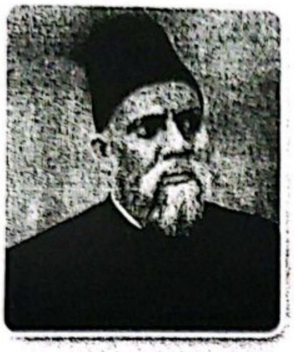

ڈپٹی نذیر احمد

(۱۸۳۶ء-۱۹۱۲ء)

مولوی نذیر احمد، جن کو ادبی دنیا میں ڈپٹی نذیر احمد کہا جاتا ہے، ضلع بجنور (یوپی، انڈیا) کے ایک چھوٹے سے گاؤں "ریہڑ" میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں اپنے والد سے، جو گاؤں میں بچّوں کو پڑھایا کرتے تھے، حاصل کی اور پھر دہلی جا کر دہلی کالج میں داخلہ لے لیا اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

ڈپٹی نذیر احمد بچپن ہی سے ڈپٹی کلکٹر بننے کا، جو اُس زمانے میں بہت ترقّی یافتہ عہدہ خیال کیا جاتا تھا، خواب دیکھتے تھے، جو ایک روز پورا بھی ہو گیا۔ انھوں نے اِس مقام و مرتبہ کو پانے کے لیے سخت محنت کی اور زمانے کے بڑے نشیب و فراز دیکھے۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو بھی بہت قریب سے دیکھا تھا کیوں کہ اُن دنوں آپ دہلی میں مقیم تھے۔ آپ سر سیّد احمد خاں کے افکار سے بہت متاثر تھے اس لیے ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان اشراف گھرانوں کی تعلیمی حالت کو سُدھارنے کے لیے لکھنے لکھانے کا کام کیا اور اپنی کوششوں میں کسی حد تک کام یاب رہے۔

ڈپٹی نذیر احمد ناول پڑھنے کے بے حد شائق تھے مگر اُن کے سامنے اُردو میں ناول کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا، البتہ انھوں نے اپنے طور پر کوشش کی اور اُردو ناول نگاری کے میدان میں پہلا قدم رکھا۔ وہ چوں کہ ایک معاملہ فہم، زیرک اور زبان و بیان پر قدرت رکھنے والے زبردست آدمی تھے اس لیے انھوں نے انھی خوبیوں کی بدولت اُردو ناول نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ انھوں نے متعدد اصلاحی ناول لکھے جن میں "مرآۃ العروس"، "بنات النعش"، "توبۃ النصوح"، "فسانۂ مبتلا"، "ابن الوقت"، "رویائے صادقہ" اور "ایامیٰ" شامل ہیں جو تمام کے تمام اصلاحی ناول ہیں۔ جن کے کرداروں کے ذریعے خاص طور پر اچھائی یا برائی کا فرق اور مسلمان اشراف گھرانوں کی عورتوں کی گھریلو زندگی کی عکس بندی اور اُن کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔

شاملِ کتاب اقتباس "کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ" اُن کے ناول "توبۃ النصوح" سے مستعار ہے۔ ناول کے اِس حصّے میں خاندان کے سربراہ نصوح کے بڑے بیٹے کلیم کا ذکر ہے جو اپنے وقت کا معروف شاعر ہے مگر اپنے حال میں مست رہتا تھا اور تمسخر کے انداز میں اُس کے دوست: مرزا ظاہر دار بیگ کا بیان ہے جس کا ظاہر اُس کے باطن سے قطعی مختلف تھا۔

سبق: ۵

کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو اُردو ناول نگاری کی ابتدائی صورتِ حال سے آگاہ کرنا۔

۲۔ طلبہ کو ڈپٹی نذیر احمد کے سوانحی حالات سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بتانا کہ ان کا شمار اُردو کے پہلے ناول نگار کے طور پر کیا جاتا ہے۔

۳۔ طلبہ کو ڈپٹی نذیر احمد کے زمانے کی معاشرت سے آگاہ کرنا اور انھیں یہ بتانا کہ انھوں نے اپنے تمام ناول اصلاحِ معاشرہ کے مقصد کے تحت لکھے تھے۔

۴۔ طلبہ کو ناول "توبۃ النصوح" کے کرداروں کی مثال دے کر بتانا کہ ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں کے تمام کردار اسم بامسمّٰی ہیں یعنی جیسا نام ویسا کام۔

۵۔ طلبہ کو روز مرہ اور محاورہ کی تعریف بتانا اور ان پر واضح کرنا کہ روز مرہ اور محاورہ کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کی زبان سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

(یہ اقتباس ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "توبۃ النصوح" سے لیا گیا ہے۔ ناول کا موضوع اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داریاں ہیں۔ نصوح ہیضے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوا کے اثر سے وہ گہری نیند سو جاتا ہے۔ اسی حالت میں وہ ایک خواب دیکھتا ہے کہ ایک بہت بڑی عمارت میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہے، ان کا حساب کتاب ہو رہا ہے۔ ان کی بد اعمالیوں پر ان سے پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ اولاد کی تربیت سے غفلت بھی گناہ سمجھی جاتی ہے۔ ایک طویل خواب کے بعد نصوح جاگتا ہے اور اپنی زندگی پر غور کرنے لگتا ہے۔ اسے اپنی کوتاہیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ بقیہ زندگی میں وہ اپنی اور گھر والوں کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ پہلے اپنی بیوی فہمیدہ کو اپنا ہم خیال بناتا ہے۔ پھر بچوں کی اصلاح پر توجہ دیتا ہے۔ چھوٹی اولاد کی اصلاح تو ہو جاتی ہے۔ بڑی اولاد کے سلسلے میں اسے کامیابی نہیں ہوتی۔ کلیم نصوح کا بڑا بیٹا ہے جس میں بہت سی برائیاں موجود ہیں۔ باپ اُسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ ایک دن گھر چھوڑ کر اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے ہاں اُٹھ آتا ہے۔ مرزا کے پلّے کچھ نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے آپ کو بڑا صاحبِ جائیداد ظاہر کرتا ہے۔ دونوں کی ملاقات ہی ناول کے اس حصّے میں بیان کی گئی ہے۔)

●

بار بار پکارنے کنڈی کھڑکھڑانے سے دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں اور اُن میں سے ایک نے پوچھا: "کون صاحب ہیں؟ اور اتنی رات گئے کیا کام ہے؟"

کلیم: جاؤ مرزا کو بھیج دو۔

لونڈی: کون مرزا؟

کلیم: مرزا ظاہر دار بیگ، جن کا مکان ہے، اور کون مرزا!

لونڈی: یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہے۔

اتنا کہہ کر قریب تھا کہ لونڈی پھر کواڑ بند کر لے کہ کلیم نے کہا:

کیوں جی! کیا یہ جمعدار صاحب کی محل سرا نہیں ہے؟

لونڈی: ہے کیوں نہیں؟

کلیم: پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں۔ کیا ظاہر دار بیگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں ہیں؟

لونڈی: جمعدار کے وارثوں کو خدا اسلامت رکھے۔ مُوا مرزا ظاہر دار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا کون ہوتا ہے؟

دوسری لونڈی: اری کم بخت!، یہ کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں۔ وہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بتایا کرتا ہے (کلیم سے مخاطب ہو کر) کیوں میاں! وہی ظاہر دار بیگ ناں جن کی رنگت زرد زرد ہے۔ آنکھیں کرنجی، چھوٹا قد، دبلا ڈیل۔ اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔

کلیم: ہاں ہاں وہی ظاہر دار بیگ۔

لونڈی: تو میاں اس مکان کے پچھواڑے اُپلوں کی ٹال کے برابر ایک چھوٹا سا کچا مکان ہے، وہ اس میں رہتے ہیں۔

کلیم نے وہاں جا کر آواز دی تو کچھ دیر بعد مرزا صاحب ننگ دھڑنگ جانگیا پہنے ہوئے باہر تشریف لائے اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے اور بولے:

آہا! آپ ہیں۔ معاف کیجیے گا مَیں سمجھا کوئی اور صاحب ہیں۔ بندے کو کپڑے پہن کر سونے کی عادت نہیں۔ مَیں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہم رکاب چلوں۔

کلیم: چلیے گا کہاں؟ مَیں تو آپ کے پاس آیا تھا۔

مرزا: پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو تو مَیں اندر پردہ کرادوں؟

کلیم: مَیں آج شب کو آپ ہی کے ہاں رہنے کی نیت سے آیا ہوں۔

مرزا: بسم اللہ، تو چلیے اِسی مسجد میں تشریف رکھیے۔ بڑی فضا کی جگہ ہے۔ مَیں ابھی آیا۔

کلیم نے جو مسجد میں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نہایت پرانی چھوٹی سی مسجد ہے، مسجدِ ضرّار کی طرح ویران وحشت ناک۔ نہ کوئی حافظ ہے، نہ طالب علم، نہ مسافر۔ ہزارہا چمگادڑیں اس میں رہتی ہیں کہ ان کی تسبیح بے ہنگام سے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ فرش پر اس قدر بیٹ پڑی ہے کہ بجائے خود کھڑنجے کا فرش بن گیا ہے۔ مرزا کے انتظار میں چاروناچار اِسی مسجد میں ٹھہرنا پڑا۔ مرزا آئے بھی تو اتنی دیر کے بعد کہ کلیم مایوس ہو چکا تھا۔ قبل اس کے کہ کلیم شکایت کرے مرزا صاحب بطورِ دفع دخلِ مقدر فرمانے لگے کہ بندے کے گھر میں کئی دن سے طبیعت علیل ہے۔ خفقان کا عارضہ، اختلاجِ قلب کا روگ ہے۔ اب جو مَیں آپ کے پاس سے گیا تو

ان کو غشی میں پایا۔ اس وجہ سے دیر ہوئی۔ پہلے تو یہ فرمایئے کہ اس وقت بندہ نوازی فرمانے کی کیا وجہ ہے؟

کلیم نے باپ کی طلب، اپنا انکار، بھائی کی التجا، ماں کا اصرار، تمام ماجرا کہہ سنایا۔

مرزا: پھر اب کیا ارادہ ہے؟

کلیم: سوائے اس کے کہ اب گھر لوٹ کر جانے کا ارادہ نہیں ہے اور جو آپ کی صلاح ہو۔

مرزا: خیر، نیتِ شب حرام، صبح تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحت فرمایئے۔ میں جا کر بچھونا وغیرہ بھیجے دیتا ہوں اور مجھ کو مریضہ کی تیمارداری کے لیے اجازت دیجیے کہ آج اس کی علالت میں اشتداد ہے۔

کلیم: یہ کیا ماجرا ہے؟ تم تو کہا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دوہری محل سرائیں، متعدد دیوان خانے، کئی پائیں باغ ہیں۔ حوض اور حمام اور کٹرے اور گنج اور دکانیں اور سرائیں، مَیں تو جانتا ہوں کہ عمارت کی قسم کی کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کو تم نے اپنی مِلک نہ بتایا ہو، یا یہ حال ہے کہ ایک متنفس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو جگہ میسر نہیں۔ جو جو حالات تم نے اپنی زبان سے بیان کیے، ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام ترکے پر تم قابض اور متصرف ہو لیکن مَیں اس جاہ و حشمت کا ایک شمّہ بھی نہیں دیکھتا۔

مرزا: آپ کو میری نسبت سخن سازی کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہے۔ اتنی مدت مجھ سے آپ سے صحبت رہی، مگر افسوس ہے کہ آپ نے میری طبیعت اور میری عادت کو نہ پہچانا۔ یہ اختلافِ حالت جو آپ دیکھتے ہیں، اس کی ایک وجہ ہے۔ بندے کو جمعدار صاحب مرحوم و مغفور نے متبنّیٰ کیا تھا اور اپنا جانشین کر مرے تھے۔ شہر کے کُل روُسا اس سے واقف اور آگاہ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ اندازیاں کیں۔ بندے کو آپ جانتے ہیں کہ بکھیڑے سے کوسوں دُور بھاگتا ہے۔ صحبتِ ناملائم دیکھ کر کنارہ کش ہو گیا۔ لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ، بندوبست کا حوصلہ نہیں۔ اسی روز سے اندر باہر واویلا مچی ہوئی ہے اور اس بات کے مشورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منا لے جائیں۔

کلیم: لیکن آپ نے اس کا تذکرہ کبھی نہیں کیا۔

مرزا: اگر مَیں آپ سے یا کسی سے تذکرہ کرتا تو استقلالِ مزاج سے بے بہرہ اور غیرت و حمیّت سے بے نصیب ٹھہرتا۔ اب آپ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی ہے، اجازت دیجیے کہ میں جا کر بچھونا بھجوا دوں اور مریضہ کی تیمارداری کروں۔

کلیم: خیر، مقام مجبوری ہے لیکن پہلے ایک چراغ تو بھیج دیجیے، تاریکی کی وجہ سے طبیعت اور بھی گھبراتی ہے۔

مرزا: چراغ کیا مَیں نے تو لیمپ روشن کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن گرمی کے دن ہیں، پروانے بہت جمع ہو جائیں گے اور آپ زیادہ پریشان ہو جیے گا اور اس مکان میں ابابیلوں کی کثرت ہے، روشنی دیکھ کر گرنے شروع ہو جائیں گے اور آپ کا بیٹھنا دشوار کر دیں گے۔ تھوڑی دیر صبر کیجیے کہ ماہتاب نکلا آتا ہے۔

کلیم جب گھر سے نکلا تو کھانا تیار تھا لیکن وہ اس قدر طیش میں تھا کہ اس نے کھانے کی مطلق پروانہ کی اور بے کھائے نکل کھڑا ہوا۔ مرزا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرزا خود پوچھیں گے ہی تو کہہ دوں گا۔ مرزا کو ہر چند کھانے کی نسبت پوچھنا ضرور تھا، کیوں کہ اوّل تو کچھ ایسی رات زیادہ نہیں گئی تھی، دوسرے یہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لڑ کر نکلا ہے، تیسرے دونوں میں بے تکلفی غایت درجے کی تھی لیکن مرزا قصداً اس بات سے متعرض نہ ہوا اور کلیم بے چارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے پہلے اس کی انتڑیوں نے قُلْ ھُوَاللہ پڑھنی شروع کر دی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ مرزا کسی طرح اس پہلو پر نہیں آتا اور عن قریب تمام شب کے واسطے رخصت ہوا چاہتا ہے، تو بے چارے نے بے غیرت بن کر خود ہی کہہ دیا کہ سنو یار، مَیں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

مرزا: سچ کہو! نہیں جھوٹ، بہکاتے ہو۔

کلیم: تمھارے سر کی قسم، مَیں بھوکا ہوں۔

مرزا: تو مردِ خدا، آتے ہی کیوں نہ کہا؟ اب اتنی رات گئے کیا ہو سکتا ہے۔ دُکانیں سب بند ہو گئیں اور جو دو ایک کھلی بھی ہیں تو باسی چیزیں رہ گئی ہوں گی، جس کے کھانے سے فاقہ بہتر ہے۔ گھر میں آج آگ تک نہیں سلگی۔ مگر ظاہرا تم سے بھوک کی سہار ہونی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیوِ اشتہا کو زیر کرنا بڑی ہمّت والوں کا کام ہے۔ ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ جاؤں چھدّامی بھڑ بھونجے کے یہاں سے گرم گرم خستہ چنے کی دال بنوا لاؤں۔ بس ایک دھیلے کی مجھ کو، تم کو دونوں کو کافی ہو گی، رات کا وقت ہے۔

ابھی کلیم کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ مرزا جلدی سے اٹھ باہر گئے اور چشمِ زدن میں چنے بھنوا لائے۔ مگر دھیلے کا کہہ کر گئے تھے، یا تو کم کے لائے یا راہ میں دو چار پھنکے لگا لیے، اس واسطے کہ کلیم کے روبرو دو تین مٹّھی چنے سے زیادہ نہ تھے۔

مرزا: یار، ہو تم بڑے خوش قسمت کہ اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا، واللہ ہاتھ تو لگاؤ، دیکھو تو کیسے بُھلس رہے ہیں اور سوندھی سوندھی خوش بو بھی عجب ہی دل فریب ہے کہ بس بیان نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عِطر نکالا مگر بُھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔ کوئی فن ہو، کمال بھی کیا چیز ہے۔ دیکھیے، اتنی تو رات گئی ہے مگر چھدّامی کی دکان پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ بندے نے بہ تحقیق سنا ہے کہ حضورِ والا کے خاصے میں چھدّامی کی دُکان کا چنا بلا ناغہ لگ کر جاتا ہے۔ اور واقعی میں آپ ذرا غور سے دیکھیے، کیا کمال کرتا ہے کہ بھوننے میں چنوں کو سڈول بنا دیتا ہے۔ بھئی! تمھیں میرے سر کی قسم سچ کہنا، ایسے خوب صورت، خوش قطع، سڈول چنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے؟ دال بنانے میں اس کو یہ کمال حاصل ہے کہ کسی دانے پر خراش تک نہیں، ٹوٹنے پھوٹنے کا کیا مذکور اور دانوں کی رنگت دیکھیے۔ کوئی بسنتی ہے، کوئی پستئی غرض دونوں رنگ خوش نما۔ یوں تو صدہا قسم کے غلّے اور پھل زمین سے اگتے ہیں لیکن چنے کی لذّت کو کوئی نہیں پاتا۔

غرض، مرزا نے اپنی چرب زبانی سے چنوں کو گھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکا تو تھا ہی، اس کو بھی ہمیشہ زیادہ مزے دار معلوم ہوئے۔

مرزا نے گھر جا کر ایک میلی دری اور ایک کثیف سا تکیہ بھیج دیا۔ دو ہی گھڑی میں کلیم کی حالت کا اس قدر متغیر ہونا عبرت کا مقام ہے۔ یا تو خلوت خانہ اور عشرت منزل میں تھا یا اب ایک مسجد میں آ کر پڑا اور مسجد بھی ایسی جس کا تھوڑا سا حال ہم نے اوپر بیان کیا۔ کفرانِ نعمت کو لات مار کر نکلا تھا تو پہلے ہی وقت چنے چبانے پڑے۔ نہ چراغ نہ چارپائی، نہ بہن نہ بھائی، نہ مونس نہ غم خوار، نہ نوکر نہ خدمت گار۔ مسجد میں اکیلا بیٹھا تھا جیسے قید خانے میں کوئی گنہگار، یا قفس میں مرغِ گرفتار۔ اور کوئی ہوتا تو اس حالت پر نظر کر کے تنبیہ پکڑتا، اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا، اور اسی وقت نہیں تو سویرے گجردم باپ کے ساتھ نمازِ صبح میں جا شریک ہوتا۔ لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے کو تھے۔

صبح ہوتے آنکھ لگ گئی، تو معلوم نہیں مرزا یا محلے کا کوئی اور عیار، ٹوپی، جوتی، رومال، چھڑی، تکیہ، دری، یعنی جو چیز کلیم کے بدن سے منفک اور اس کے جسم سے جدا تھی، لے کر چمپت ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سو کے اٹھتا تھا اور آج تو ایک وجہ خاص تھی۔ کوئی پہر سوا پہر دن چڑھے جاگا تو دیکھتا کیا ہے کہ فرشِ مسجد پر پڑا ہے اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لی ہیں تو سیروں گرد کا بھبھوت اور چمگادڑوں کی بیٹ کا ضماد بدن پر تھپا ہوا ہے۔ حیران ہوا کہ قلبِ ماہیت ہو کر مَیں کہیں بھتنا تو نہیں بن گیا۔ مرزا کو اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا، کہیں پتا نہیں۔ مسجد تھی ویران، اس میں پانی کہاں۔ صبر کر کے بیٹھ رہا کہ کوئی اللہ کا بندہ ادھر کو آنکلے تو اس کے ہاتھ مرزا کو بلواؤں اور یا منہ ہاتھ دھو کر خود مرزا تک جاؤں۔ اس میں دو پہر ہونے کو آئی۔ بارے ایک لڑکا کھیلتا ہوا آیا۔ جوں ہی زینے پر چڑھا کہ کلیم اس سے عرضِ مطلب کرنے کے لیے لپکا۔ وہ لڑکا اس کی ہیئت کذائی دیکھ ڈر کر بھاگا۔ خدا جانے اس نے اس کو بھوت سمجھا یا سڑی خیال کیا۔ کلیم نے بہتیرا پکارا اس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا۔

ناچار کلیم نے بہ ہزار مصیبت دوسرے فاقے سے شام پکڑی اور جب اندھیرا ہوا تو اُلو کی طرح اپنے نشیمن سے نکلا۔ سیدھا مرزا کے مکان پر گیا اور آواز دی تو یہ جواب ملا کہ وہ تو بڑے سویرے کے قطب صاحب سدھارے ہیں۔ کلیم نے چاہا کہ اپنا تعارف ظاہر کرے کہ ممکن ہو تو مُنھ ہاتھ دھونے کو پانی مانگے اور مرزا کی پھٹی پرانی جوتی اور ٹوپی، تا کہ کسی طرح گلی کوچے میں چلنے کے قابل ہو جائے۔ یہ سوچ کر اس نے کہا:

"کیوں حضرت، آپ مجھ سے بھی واقف ہیں؟"

اندر سے آواز آئی: "ہم تمھاری آواز تو نہیں پہچانتے، اپنا نام نشان بتاؤ تو معلوم ہو۔"

کلیم: میرا نام کلیم ہے، اور مجھ سے اور مرزا ظاہر دار بیگ سے بڑی دوستی ہے۔ بلکہ شب کو مَیں مرزا صاحب ہی کی وجہ سے مسجد میں تھا۔

گھر والے: وہ دری اور تکیہ کہاں ہے جو تمھارے سونے کے لیے بھیجا گیا تھا؟

تکیہ اور دری کا نام سن کر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامل تھا کہ اندر سے آواز آئی: "مرنا زبردست بیگ! دیکھنا، یہ مردوا کہیں چل نہ دے۔ دوڑ کر تکیہ دری تو اس سے لو۔"

کلیم یہ سن کر بھاگا۔ ابھی گلی کی نکڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے "چور چور" کر کے جالیا۔ ہر چند کلیم نے مرنا ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوقِ معرفت ثابت کیے مگر زبردست کا ٹھینگا سر پر، اس نے ایک نہ مانی اور پکڑ کر کوتوالی لے گیا۔ کوتوال نے سرسری طور پر دونوں کا بیان سنا اور کلیم سے اس کا حسب نسب پوچھا۔ ہر چند، کلیم اپنا پتا بتانے میں جھینپتا تھا مگر چار و ناچار اس کو بتانا پڑا۔ لیکن اس کی حالتِ ظاہری ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ اس کا سچ بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کوتوال نے سن کر یہی کہا کہ میاں نصوح جن کو تم اپنا والد بتاتے ہو، مَیں ان کو خوب جانتا ہوں اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ ان کے بڑے بیٹے کا یہی نام ہے جو تم نے اپنا بیان کیا ہے۔ محلے کا پتا، گھر کا نشان بھی جو تم نے کہا، سب ٹھیک ہے۔ مگر کلیم تو ایک مشہور و معروف آدمی ہے۔ آج شہر میں اس کی شاعری کی دھوم ہے۔ تمھاری یہ حیثیت کہ ننگے سر، ننگے پاؤں، بدن پر کیچڑ تھپی ہوئی۔ مجھ کو باور نہیں ہوتا۔ ان کو حوالات میں رکھو۔ صبح ہو تو مَیں ان کے والد کو بلواؤں تو ان کے بیان کی تصدیق ہو۔

کلیم یہ سن کر رو دیا اور کہا کہ میں وہی بدنصیب ہوں جس کی شعر گوئی کا شہرہ آپ نے سنا ہے۔ آپ کو یقین نہ ہو تو مَیں اپنے افکارِ تازہ سناؤں۔ چناں چہ کل شب کو جو کچھ مسجد و مرنا کی شان میں کہا تھا، سنایا۔ اس پر کوتوال نے اتنی رعایت کی کہ دو سپاہی کلیم کے ساتھ کیے اور ان کو حکم دیا کہ ان کو میاں نصوح کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ ان کو اپنا فرزند بتائیں تو چھوڑ دینا، ورنہ واپس لا کر حوالات میں رکھنا۔

(توبۃ النصوح)

• •

مشق

۱۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) مرزا ظاہر داربیگ نے کلیم کو جس مسجد میں ٹھہرایا، وہ تھی:

(الف) آباد اور پُر رونق (ب) کشادہ اور خوش گوار (ج) تنگ و تاریک (د) ویران اور وحشت ناک

(ii) مرزا ظاہر داربیگ نے کلیم کو بتایا کہ آج اُن کی بیوی ہے شدید:

(الف) علیل (ب) غصّے میں (ج) فکر مند (د) دباؤ میں

(iii) مرزا ظاہر داربیگ نے کہا کہ آپ کو میری نسبت سخن سازی کا احتمال ہونا ہے:

(الف) سخت غصّہ کی بات (ب) سخت تعجب کی بات (ج) تشویش ناک بات (د) سخت حیرت کی بات

(iv) مرزا ظاہر داربیگ نے بھنے ہوئے چنے کلیم کو بتا کر کھلائے:

(الف) لذیذ پراٹھے (ب) مزے دار مٹھائی (ج) گھی کی تلی دال (د) بیسنی روٹی

(v) مرزا ظاہر داربیگ جو چنے لے کر آئے، وہ تھے:

(الف) ایک مٹھی (ب) دو تین مٹھی (ج) ایک پاؤ (د) آدھ سیر

(vi) کلیم کے پیچھے جو شخص بھاگا، اس کا نام تھا:

(الف) مرزا ظاہر داربیگ (ب) مرزا زبردست بیگ (ج) مرزا طاقت وربیگ (د) مرزا جان داربیگ

۲۔ سبق "کلیم اور مرزا ظاہر داربیگ" کے متن کے مطابق سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) سبق "کلیم اور مرزا ظاہر داربیگ" ڈپٹی نذیر احمد کے کس ناول سے مستعار ہے؟

(ب) مرزا ظاہر داربیگ کا مکان کہاں واقع تھا اور کیسا تھا؟

(ج) مرزا ظاہر داربیگ نے کلیم کو ایک رات کے لیے کس جگہ ٹھہرایا؟

(د) مرزا ظاہر داربیگ نے کلیم کو رات کا کھانا کس طور پر کھلایا؟

(ہ) مرزا ظاہر داربیگ نے کلیم کو اپنے بارے میں کیا بتایا تھا اور وہ کیا نکلا؟

(و) جب مرزا زبردست بیگ کلیم کے پیچھے بھاگا تو کلیم کس حلیے میں تھا؟

Scanned with CamScanner CamScanner

۳) اعراب کی مدد سے ان الفاظ کا درست تلفظ واضح کریں۔

اپلوں	سوندھی	شمہ	متصرف	متنفس
خفقان	حشمت	متعرض	اشتداد	سخن سازی

۴) درج ذیل الفاظ کے معانی لکھیں۔

اپنے تئیں	قلبِ ماہیت	ہیئت کذائی	دیو اشتہا	اختلاجِ قلب
حقوقِ معرفت	مرغِ نو گرفتار	سخن سازی	چاروناچار	تسبیحِ بے ہنگام

۵) درج ذیل میں سے لفظ منتخب کر کے سبق کے متن کے مطابق جملے مکمل کریں۔

بندہ نوازی	اپنے تئیں	علیل	ہم رکاب
سخن سازی	سڈول	ماہتاب	شمّہ

(الف) ________ بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔

(ب) میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ________ چلوں۔

(ج) بندے کے گھر میں کئی دن سے طبیعت ________ ہے۔

(د) یہ فرمائیے کہ اس وقت ________ فرمانے کی کیا وجہ ہے؟

(ہ) میں اُس جاہ و حشمت کا ایک ________ بھی نہیں دیکھتا۔

(و) آپ کو میری نسبت ________ کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہے۔

(ز) تھوڑی دیر صبر کیجیے کہ ________ نکلا چلا آتا ہے۔

(ح) بھوننے میں چنوں کو ________ بنا دیتا ہے۔

روز مرہ اور محاورہ

روز مرہ: روز مرہ اُس بول چال اور اسلوبِ بیان کو کہتے ہیں جو خاص اہلِ زبان استعمال کرتے ہیں۔ اس میں قیاس کو دخل سماعت پر دارومدار ہے۔ مثلاً: بلاناغہ پر قیاس کر کے اس کے بجائے بے ناغہ اور روز روز کی جگہ دن دن نہیں کہا جا اہلِ زبان کے یہاں یہ الفاظ بول چال میں اس طرح کبھی نہیں آتے۔

Scanned with CamScanner

محاورہ بھی روز مرہ کی طرح اہلِ زبان کا اسلوب بیان ہی ہے مگر محاورے میں کم از کم دو الفاظ ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک لفظ عموماً مصدر ہوتا ہے اور جملے میں اس مصدر کے تمام مشتقات استعمال کیے جاسکتے ہیں مگر محاورہ ہمیشہ اپنے مجازی معنی دیتا ہے اور اس میں ازروئے قیاس تبدیلی کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ جیسے: گُل کھلانا ایک محاورہ ہے، اس کی جگہ ہم پھول کھلانا نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح گھوڑے بیچ کر سونا کی جگہ گھوڑے فروخت کرکے سونا ہرگز درست نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ اُردو میں روز مرہ اور محاورے کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کی زبان کو سند کی حیثیت حاصل ہے۔

(۶) درج ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

واویلا مچنا	آنکھ لگنا	چکرا جانا	استغفار کرنا
تنبیہ پکڑنا	چمپت ہونا	دھوم ہونا	آنتوں کا قل ہو اللہ پڑھنا

سرگرمیاں:

- مختلف بچوں کو سبق میں آنے والے کرداروں خصوصاً اُردو زبان کے دو رسیا بچوں کو کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ کا کردار اور ایک مستعد بچے کو مرزا زبردست بیگ کا کردار دے کر یہ سبق مکالماتی انداز میں بلند آواز میں پڑھیں۔
- کلاس کے تمام بچے "بڑوں کا احترام" کے موضوع پر ایک مضمون لکھیں، جس کا مضمون اوّل آئے اسے چارٹ پر لکھ کر جماعت کے کمرے میں آویزاں کیا جائے۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو داستان اور ناول کا فرق بتائیں اور اُردو ناول کی ابتدائی صورت سے آگاہ کریں۔

۲۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ ڈپٹی نذیر احمد کے تمام ناول اصلاحی ہیں اور ان کے ناولوں کے کرداروں کے نام اسم بامسمّٰی ہیں۔

۳۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ تمام لوگ ڈپٹی نذیر احمد کی زبان کو مستند مانتے ہیں اور ان کے روز مرہ اور محاورے کے آگے سب سر جھکاتے ہیں۔

۴۔ طلبہ کو ڈپٹی نذیر احمد کی دیگر تصانیف کا تعارف کرائیں۔

۵۔ اساتذہ بچوں کو تلقین کریں کہ جب وہ "بڑوں کا احترام" کے موضوع پر مضمون لکھیں تو اپنے مضمون میں یہ حدیث ضرور درج کریں:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا" (مشکوٰۃ شریف، صفحہ:۴۲۳)

اور بچوں کو نصیحت کریں کہ وہ زندگی بھر اپنا رویہ یہی رکھیں اور اس حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کے ناول "توبۃ النصوح" کا حوالہ دیں کہ جب کلیم نے اپنے والد نصوح کی باتوں پر کان نہیں دھرا تو اُس کو کس کس طرح سے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

Scanned with CamScanner

مولوی عبدالحق

(۱۸۷۰ء-۱۹۶۱ء)

مولوی عبدالحق ضلع میرٹھ (یوپی، انڈیا) کے ایک گاؤں ہاپوڑ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد سکول اور کالج کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی جہاں سرسیّد احمد خاں، مولانا حالی، مولانا شبلی نعمانی، پروفیسر تھامس آرنلڈ اور نواب محسن الملک جیسے صاحبانِ علم وفضل سے استفادے کا موقع ملا۔ ملازمت کا آغاز حیدر آباد (دکن) میں ایک سکول سے کیا۔ بعد ازاں صدرِ مہتمم تعلیمات تعینات ہو کر اورنگ آباد منتقل ہو گئے مگر کچھ ہی عرصہ بعد یہ ملازمت ترک کر دی اور عثمانیہ کالج اورنگ آباد کے پرنسپل بن گئے اور ۱۹۳۰ء میں اس عہدے سے سبک دوش ہوئے۔

مولوی عبدالحق ۱۹۱۲ء میں "انجمن ترقّیِ اردو" کے سیکرٹری منتخب ہوئے تو انھوں نے اس انجمن کو ایک فعال علمی ادارہ بنا دیا۔ وہ ۱۹۳۵ء تک حیدر آباد (دکن) میں اور ۱۹۳۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک دہلی میں اسی حیثیت پر فائز رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں انجمن ترقّیِ اُردُو کا دفتر لے کر کراچی آ گئے۔

مولوی عبدالحق کی تمام تر زندگی خدمت وایثار اور عزم واستقلال کی داستان ہے۔ انھوں نے اپنی ساری عمر اُردُو زبان کی خدمت میں اور اس کی ترقی وبقا کے لیے طرح طرح کی لڑائیاں لڑنے میں بسر کی۔ کہا کرتے تھے: "میرا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، کھانا پینا اور پڑھنا لکھنا، دوستی، تعلق، روپیا پیسا سب کچھ اردو کے لیے مختص ہے۔" اسی لیے انھوں نے اُردُو کے اہتمام میں کراچی میں اردو آرٹس کالج، اردو سائنس کالج، اُردُو کامرس کالج، اُردُو لا کالج اور اردو یونیورسٹی کے قیام کو عملی جامہ پہنایا اور اُردُو کے دو رسالے: "اُردُو"، "قومی زبان" جاری کیے جو آج بھی اُردُو زبان وادب کی خدمت کر رہے ہیں۔

مولوی عبدالحق کی اَن گنت تصانیف ہیں۔ ان کی تحریر میں بے ساختگی اور ستھرا پن ہے اور وہ جگہ جگہ بڑی خوب صورتی سے ہندی کے کومل لفظوں کا استعمال بھی کرتے ہیں اور ان کی تحریر بول چال کی زبان نظر آتی ہے۔

"چند ہم عصر" ان کی ایسی تصنیف ہے جس میں انھوں نے اپنے ۲۴ ہم عصروں کے خاکے لکھے ہیں۔ شاملِ کتاب خاکہ "نام دیو-مالی" اسی کتاب سے مستعار ہے اور جیسا کہ خاکے کے نام ہی سے ظاہر ہے یہ ایک ایسے مالی کا خاکہ ہے جس کا اوڑھنا بچھونا اس کے پودے تھے۔

Scanned with CamScanner

سبق ۶:

نام دیو — مالی

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو خاکہ نگاری کے فن سے روشناس کرنا۔

۲۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ قومی زبان اُردو کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے مولوی عبدالحق کی بے پناہ خدمات ہیں۔ اسی بنا پر قوم نے انھیں "بابائے اردو" کا لقب دیا۔

۳۔ طلبہ کو بتانا کہ وہی شخص، چاہے وہ کسی درجے کا ہو، عظیم ہوتا ہے جو محنت و مشقت کا دھنی ہو۔

۴۔ طلبہ کو تفہیم عبارت اور غیر حقیقی تذکیر و تانیث کے چند اہم اصولوں سے روشناس کرنا۔

نام دیو مقبرہ رابعہ دورانی اورنگ آباد (دکن) کے باغ میں مالی تھا۔ ذات کا ڈھیڑ جو بہت نیچ قوم خیال کی جاتی ہے۔ قوموں کا امتیاز مصنوعی ہے اور رفتہ رفتہ اصلی ہو گیا ہے۔ سچائی، نیکی، حسن کسی کی میراث نہیں۔ یہ خوبیاں نیچی ذات والوں میں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی اونچی ذات والوں میں۔

قیس ہو کوہ کن ہو یا حالیؔ
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

مقبرے کا باغ میری نگرانی میں تھا۔ میرے رہنے کا مکان بھی باغ کے احاطے ہی میں تھا۔ مَیں نے اپنے بنگلے کے سامنے چمن بنانے کا کام نام دیو کے سپرد کیا۔ مَیں اندر کمرے میں کام کرتا رہتا تھا۔ میری میز کے سامنے بڑی سی کھڑکی تھی۔ اس میں سے چمن صاف نظر آتا تھا۔ لکھتے لکھتے کبھی نظر اٹھا کر دیکھتا تو نام دیو کو ہمہ تن اپنے کام میں مصروف پاتا۔ بعض دفعہ اس کی حرکتیں دیکھ کر بہت تعجب ہوتا۔ مثلاً کیا دیکھتا ہوں کہ نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا اس کا تھانولا صاف کر رہا ہے۔ تھانولا صاف کر کے حوض سے پانی لیا اور آہستہ آہستہ ڈالنا شروع کیا۔ پانی ڈال کر ڈول درست کی اور ہر رُخ سے پودے کو مڑ مڑ کر دیکھتا۔ پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا تھا اور مسکراتا اور خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ کام اسی وقت ہوتا ہے جب اس میں لذّت آنے لگے۔ بے مزہ کام، کام نہیں بیگار ہے۔

اب مجھے اس سے دل چسپی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھا کرتا۔ مگر اسے خبر نہ ہوتی کہ کوئی دیکھ رہا ہے یا اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی وہ اپنے پودوں اور پیڑوں ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا اور اولاد کی طرح ان کی پرورش اور نگہداشت کرتا۔ ان کو سرسبز اور شاداب دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوتا جیسے ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ ایک ایک پودے کے پاس بیٹھتا، ان کو پیار کرتا، جھک جھک کے دیکھتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا ان سے چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتے، پھولتے پھلتے، اس کا دل بھی بڑھتا اور پھولتا تھا، ان کو توانا اور ٹانٹا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی

Scanned with CamScanner

کی لہر دوڑ جاتی۔ کبھی کسی پودے میں اتفاق سے کیڑا لگ جاتا یا کوئی اور روگ پیدا ہو جاتا تو اسے بڑا فکر ہوتا۔ بازار سے دوائیں لاتا۔ باغ کے داروغہ یا مجھ سے کہہ کر منگاتا۔ دن بھر اسی میں لگا رہتا اور اس پودے کی ایسی سیوا کرتا جیسے کوئی ہمدرد اور نیک دل ڈاکٹر اپنے عزیز بیمار کی کرتا ہے۔ ہزار جتن کرتا اور اسے بچا لیتا اور جب تک وہ تن درست نہ ہو جاتا اسے چین نہ آتا۔ اس کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ پروان چڑھے اور کبھی کوئی پیڑ ضائع نہ ہوا۔

باغوں میں رہتے رہتے اسے جڑی بوٹیوں کی بھی شناخت ہو گئی تھی۔ خاص کر بچوں کے علاج میں اسے بڑی مہارت تھی۔ دور دور سے لوگ اس کے پاس بچوں کے علاج کے لیے آتے تھے۔ وہ اپنے باغ ہی میں سے جڑی بوٹیاں لا کر بڑی شفقت اور غور سے ان کا علاج کرتا۔ کبھی کبھی دوسرے گاؤں والے بھی اُسے علاج کے لیے بُلا لے جاتے۔ بلا تامّل چلا جاتا۔ مفت علاج کرتا اور کبھی کسی سے کچھ نہیں لیتا تھا۔

وہ خود بھی بہت صاف ستھرا رہتا تھا اور ایسا ہی اپنے چمن کو بھی رکھتا۔ اس قدر پاک صاف جیسے رسوئی کا چوکا۔ کیا مجال جو کہیں گھاس پھوس یا کنکر پتھر پڑا رہے۔ روشیں باقاعدہ، تھانولے درست، سینچائی اور شاخوں کی کاٹ چھانٹ وقت پر، جھاڑنا بُہارنا صبح شام روزانہ۔ غرض سارے چمن کو آئینہ بنا رکھا تھا۔

باغ کے داروغہ عبدالرّحیم فنیسی خود بھی بڑے کار گزار اور مستعد شخص ہیں اور دوسرے سے بھی کھینچ تان کر کام لیتے ہیں۔ اکثر مالیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ ذرا بھی نگرانی میں ڈھیل ہوئی، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے یا بیڑی پینے لگے یا سائے میں جا لیٹے۔ عام طور پر انسان فطرتاً کاہل اور کام چور واقع ہوا ہے۔ آرام طلبی ہم میں کچھ موروثی ہو گئی ہے لیکن نام دیو کو کبھی کچھ کہنے سننے کی نوبت نہ آئی۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے کام میں لگا رہتا۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا۔

ایک سال بارش بہت کم ہوئی۔ کنوؤں اور باؤلیوں میں پانی برائے نام رہ گیا۔ باغ پر آفت ٹوٹ پڑی۔ بہت سے پودے اور پیڑ تلف ہو گئے۔ جو بچ رہے وہ ایسے نڈھال اور مرجھائے ہوئے تھے جیسے دق کے بیمار، لیکن نام دیو کا چمن ہرا بھرا تھا۔ وہ دُور دُور سے ایک ایک گھڑا پانی کا سر پر اٹھا کے لاتا اور پودوں کو سینچتا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قحط نے لوگوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے اور انھیں پینے کو پانی مشکل سے میسّر آتا تھا۔ مگر یہ خدا کا بندہ کہیں نہ کہیں سے لے ہی آتا اور اپنے پودوں کی پیاس بجھاتا۔ جب پانی کی قلّت اور بڑھی تو اس نے راتوں کو بھی پانی ڈھو ڈھو کے لانا شروع کیا۔ پانی کیا تھا یوں سمجھیے کہ آدھا پانی اور آدھی کیچڑ ہوتی تھی لیکن یہی گدلا پانی پودوں کے حق میں آبِ حیات تھا۔

مَیں نے اس بے مِثل کار گزاری پر اُسے انعام دینا چاہا تو اُس نے لینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا کہنا ٹھیک تھا کہ اپنے بچوں کو پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔ کیسی ہی تنگی ترشی ہو وہ تو ہر حال میں کرنا ہی پڑتا ہے۔

جب اعلیٰ حضرت حضور نظام کو اورنگ آباد کی خوش آب و ہوا میں باغ لگانے کا خیال ہوا تو یہ کام ڈاکٹر سید سراج الحسن (نواب

سراج یار جنگ بہادر) ناظم تعلیمات کے تفویض ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ذوقِ باغبانی مشہور تھا۔ مقبرہ رابعہ دورانی اور اس کا باغ جو اپنی ترتیب و تعمیر کے اعتبار سے مغلیہ باغ کا بہترین نمونہ ہے، مدت سے ویران اور سنسان پڑا تھا۔ وحشی جانوروں کا مسکن تھا اور جھاڑ جھنکار سے پٹا پڑا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب کی بدولت سرسبز و شاداب اور آباد نظر آتا ہے۔ اب دُور دُور سے لوگ اسے دیکھنے آتے اور سیر و تفریح سے محظوظ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو آدمی پرکھنے میں بھی کمال تھا۔ وہ نام دیو کے بڑے قدردان تھے، اسے مقبرے سے شاہی باغ میں لے گئے۔ شاہی باغ آخر شاہی باغ تھا۔ کئی کئی نگرانِ کار اور بیسیوں مالی اور مالی بھی کیسے، ٹوکیو سے جاپانی، تہران سے ایرانی اور شام سے شامی آئے تھے۔ ان کے بڑے ٹھاٹ تھے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اُپج تھی۔ وہ شاہی باغ کو حقیقت میں شاہی باغ بنانا چاہتے تھے۔ یہاں بھی نام دیو کا وہی رنگ تھا۔ اس نے نہ فنِ باغبانی کی کہیں تعلیم پائی تھی اور نہ اس کے پاس کوئی سند یا ڈپلوما تھا۔ البتہ کام کی دُھن تھی۔ کام سے سچا لگاؤ تھا اور اسی میں اُس کی جیت تھی۔ شاہی باغ میں بھی اس کا کام مہاکاج رہا۔ دوسرے مالی لڑتے جھگڑتے، سیندھی شراب پیتے، یہ نہ کسی سے لڑتا جھگڑتا نہ سیندھی شراب پیتا۔ یہاں تک کہ کبھی بیڑی بھی نہ پی۔ بس یہ تھا اور اس کا کام۔

ایک دن نامعلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی یُورش ہوئی۔ سب مالی بھاگ کر چھپ گئے۔ نام دیو کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ برابر اپنے کام میں لگا رہا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ قضا اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔ مکھیوں کا غضب ناک جھلڑ اس غریب پر ٹوٹ پڑا۔ اتنا کاٹا اتنا کاٹا کہ بے دم ہو گیا۔ آخر اسی میں جان دے دی۔ میں کہتا ہوں کہ اسے شہادت نصیب ہوئی۔

وہ بہت سادہ مزاج بھولا بھالا اور منکسر مزاج تھا۔ اس کے چہرے پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھک کر ملتا۔ غریب تھا اور تنخواہ بھی کم تھی اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔ کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

گرمی ہو یا جاڑا، دھوپ ہو یا سایہ، وہ دن رات برابر کام کرتا رہا لیکن اسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ میں بہت کام کرتا ہوں یا میرا کام دوسروں سے بہتر ہے۔ اسی لیے اُسے اپنے کام پر فخر یا غرور نہ تھا۔ وہ یہ باتیں جانتا ہی نہ تھا۔ اسے کسی سے بیر تھا نہ جلاپا۔ وہ سب کو اچھا سمجھتا اور سب سے محبت کرتا تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا، وقت پر کام آتا، آدمیوں جانوروں، پودوں کی خدمت کرتا لیکن اسے کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ نیکی اسی وقت تک نیکی ہے جب تک آدمی کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ جہاں اس نے یہ سمجھنا شروع کیا، نیکی نیکی نہیں رہتی۔

جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے اور بڑا آدمی کسے کہتے ہیں۔ ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ درجۂ کمال تک نہ کبھی کوئی پہنچا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ہی میں انسان انسان بنتا ہے۔ یہ سمجھو کُندن ہو جاتا ہے۔ حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہو گی خدا، یہ نہیں پوچھے گا کہ تُو نے کتنی پوجا پاٹ یا عبادت کی۔ وہ کسی عبادت کا محتاج نہیں۔ وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ مَیں

نے جو تجھ میں استعداد ودیعت کی تھی، اُسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تُونے کیا کیا اور خلق اللہ کو اس سے کیا فیض پہنچایا۔ اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے تو نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی۔ تھا تو ذات کا ڈھیڑ پر اچھے اچھے شریفوں سے زیادہ شریف تھا۔

(چند ہم عصر)

● ●

مشق

(۱) سبق "نام دیو۔مالی" کے متن کے حوالے سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) نام دیو پودوں اور پیڑوں کو سمجھتا تھا:

(الف) اپنا دوست (ب) اپنا دشمن (ج) اپنا سجن (د) اپنی اولاد

(ii) نام دیو کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ:

(الف) تلف ہوئے (ب) پروان چڑھے (ج) سوکھ کر رہ گئے (د) ویسے کے ویسے رہے

(iii) نام دیو بچوں کا علاج کرتا تھا:

(الف) تعویذ گنڈوں سے (ب) ٹونے ٹوٹکوں سے (ج) جڑی بوٹیوں سے (د) دوا دارو سے

(iv) نام دیو کی موت واقع ہوئی:

(الف) دل کے عارضے سے (ب) ٹانگ ٹوٹنے سے (ج) درخت پر سے گرنے سے (د) شہد کی مکھیوں کی یورش سے

(v) ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی رکھی ہے:

(الف) استعداد (ب) خوبی (ج) صلاحیّت (د) بڑائی

(۲) سبق "نام دیو۔مالی" کے متن کے مطابق سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) نام دیو۔مالی کا تعلق کس ذات سے تھا؟

(ب) نام دیو کو اپنے پودوں سے کس حد تک لگاؤ تھا؟

(ج) نام دیو کا اگر کوئی پودا بیمار پڑ جاتا تو وہ اس کے لیے کیا کیا جتن کرتا تھا؟

(د) نام دیو کی موت کیسے واقع ہوئی؟

(ہ) نیکی اور بڑائی کا معیار کیا ہے؟

Scanned with CamScanner

۳۔ سبق "کام ہی دیوانی" کے متن کے مطابق خالی جگہیں پُر کریں۔

(الف) کام اُسی وقت ہوتا ہے جب اُس میں لذت آنے لگے۔ بے مزہ کام، کام نہیں __________ ہے۔

(ب) اس کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ __________ چڑھے اور کبھی کوئی پیڑ ضائع نہ ہوا۔

(ج) باغوں میں، رہتے رہتے اسے __________ کی بھی شناخت ہو گئی تھی۔

(د) اپنے __________ کو پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مستحق نہیں ہوتا۔

(ہ) ایک دن نامعلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی __________ ہوئی۔

تفہیم عبارت:

بات کو دوسروں تک پہنچانے میں زبان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ امتحان میں طلبہ کی زبان دانی کا جائزہ لینے کے لیے کسی تحریر کا اقتباس اور اُس کے آخر میں چند سوالات دیے جاتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس تحریر کے مفہوم کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں چند باتیں ہمیشہ مدِ نظر رکھیں:

- عبارت کے نفسِ مضمون کو سمجھنے کی کوشش کریں۔
- سوالوں کے جوابات عبارت کے مجموعی تاثر کے پیشِ نظر دیں۔
- جتنا سوال پوچھا گیا ہے، اتنا جواب دیں۔ جواب اپنے الفاظ میں لکھیں اور عبارت آرائی سے گریز کریں۔

(۴) درج ذیل عبارت کو پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

ایک مغربی مؤرّخ سٹینلے والپرٹ (Stanley Wolpert) نے قائدِ اعظمؒ کے بارے میں لکھا:

"دنیا میں فقط چند افراد ہی ایسے ہوئے ہوں گے جنھوں نے انفرادی طور پر معنی خیز انداز میں تاریخ کے دھارے کو تبدیل کر دیا ہو۔ شاید گنتی کے چند لوگ ہی ہوں گے جنھوں نے دنیا کے نقشے میں ترمیم کر دی ہو اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس نے کسی بکھری ہوئی قوم کو ایک بنا کر اُسے ایک ملک دے دیا ہو۔ محمد علی جناحؒ نے یہ تینوں کارنامے انجام دیے۔"

قائدِ اعظمؒ کی مسلسل جاں فشانیوں کے بعد بالآخر حکومتِ برطانیہ اور کانگریس نے ۳/جون ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور اسی روز قائدِ اعظمؒ نے آل انڈیا ریڈیو سے اپنی تقریر میں مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کے ساتھ پاکستان زندہ باد کے الفاظ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو مملکتِ خداداد پاکستان وجود میں آگئی۔ قوم نے اپنے

عظیم محسن کی گراں قدر خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں "قائدِ اعظمؒ" اور "بابائے قوم" اور ان کی بہن فاطمہ جناحؒ کو، جو جدوجہدِ آزادی میں اپنے بھائی کی شریکِ کار تھیں "مادرِ ملت" کے القابات دیے۔

سوالات: (الف) معروف مغربی مؤرّخ سٹینلے والپرٹ نے قائدِ اعظمؒ کے بارے میں کیا لکھا؟

(ب) قائدِ اعظمؒ نے "پاکستان زندہ باد" کے الفاظ کا استعمال کب کیا؟

(ج) مملکتِ خُداداد پاکستان کب وجود میں آئی؟

(د) قوم نے قائدِ اعظمؒ کی بہن محترمہ فاطمہ جناحؒ کو کیا لقب دیا؟

(ہ) اس تحریر کا ایک عنوان تجویز کریں۔

تذکیر و تانیث

اُردو میں اسم کی صرف دو جنسیں ہیں: مذکّر اور مُونّث۔ یعنی ہر اسم چاہے جان دار کے لیے ہو یا بے جان کے لیے، یا تو مذکّر ہوگا یا مُونّث۔ اردو میں مذکّر سے مونّث اور مونّث سے مذکّر بنانے کے کوئی حتمی اُصول نہیں اور عام طور پر لفظوں کی تذکیر و تانیث زبان دان لوگوں کے ذریعے اور چلن کی بنیاد ہی پر معلوم ہوتی ہے، تاہم قواعد جاننے والوں نے اس کے کچھ قاعدے قانون بھی بنائے ہیں۔ ان میں سے غیر حقیقی اسموں کی تذکیر و تانیث کے چند اصول یہ ہیں:

- سوائے جمعرات کے تمام دِنوں کے نام مذکّر ہیں۔
- منٹ، گھنٹا، دن، مہینا، سال، مذکّر ہیں البتہ "رات" مُونّث ہے۔
- پہاڑوں، پتھروں اور ان کی تمام قسموں کے نام مذکّر بولے جاتے ہیں۔
- شہروں اور ملکوں کے نام مذکّر ہیں۔
- تمام دریاؤں کے نام مذکّر، البتہ ندیوں کے نام مُونّث بولے جاتے ہیں۔
- تمام ستاروں اور سیاروں کے نام مذکّر بولے جاتے ہیں۔
- تمام زبانوں اور نمازوں کے نام مُونّث بولے جاتے ہیں۔
- بول چال کی زبان میں ان الفاظ کو مذکّر بولا جاتا ہے: بے ہوش، درد، نسخہ، پرہیز، عیش، فوٹو، اخبار، لالچ، تار، لفافہ، خط، ٹکٹ، کارڈ، مرض، مزاج، علاج، مرہم، ماضی، انتظار، کلام، ارتقا۔
- ان الفاظ کو مُونّث بولا جاتا ہے: زبان، دوا، بھوک، پیاس، ترازو، کرسی، راہ، گھاس، سرسوں، کیچڑ، پتنگ، سائیکل، چھ[illegible] دیوار، آواز۔

۵۔ درج ذیل اسما میں سے مذکر اور مؤنث الگ الگ کریں۔

مقبرہ	قوم	کھڑکی	بات	پیڑ	مہارت
باغ	مکان	پانی	سوگ	جڑی بوٹیاں	علاج
مالی	میز	پودا	جشن	شناخت	بارش

۶۔ درج ذیل اقتباسات کی تشریح کیجیے، تشریح سے پہلے مصنف کا نام اور سبق کا عنوان بھی لکھیے۔

(الف) وہ اپنے ایک ایک پودے کے پاس بیٹھتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کوئی پیڑ ضائع نہ ہوا۔

(ب) ایک سال بارش بہت کم ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حق میں آبِ حیات تھا۔

سرگرمیاں:

- "نام دیو-مالی" ایک خاکہ ہے۔ اس خاکے کو کہانی کی صورت میں لکھیں اور ٹیوٹوریل گروپ میں پڑھیں۔
- انٹرنیٹ سے کسی ایسے باغبان کی تصویر تلاش کریں جو دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے کام میں مگن ہو اور اس تصویر کو ایک چارٹ پر چسپاں کر کے اسے جماعت کے کمرے میں آویزاں کریں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو نام دیو-مالی کی مثال دیتے ہوئے بتائیں کہ عظیم شخص وہ ہے جو محنت و مشقت کا دھنی ہو۔

۲۔ اساتذہ طلبہ کو لائبریری سے حاصل کر کے "چند ہم عصر" دکھائیں اور طلبہ کو اس کتاب کے دوسرے خاکوں کے عنوانات سے آگاہ کریں، خصوصاً "گدڑی کا لعل-نور خاں" کے بارے میں قدرے تفصیل سے بتائیں۔

۳۔ اساتذہ اُردو کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے مولوی عبدالحق کی خدماتِ جلیلہ پر روشنی ڈالیں۔

۴۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ یہ مولوی عبدالحق ہی تھے جن کی کوششیں رنگ لائیں اور قائدِ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے، اُردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا اور اس کے نفاذ کے لیے کوششیں کیں۔

● ● ●

Scanned with CamScanner

امتیاز علی تاج

(۱۹۰۰ء-۱۹۷۰ء)

اُردو کے کامیاب ڈراما نگاروں کی فہرست میں امتیاز علی تاج کا نام بڑا نمایاں ہے۔ اُن کی جائے ولادت لاہور ہے مگر اُن کے والد، سید ممتاز علی، جو ایک بلند پایہ مصنف اور مجلّہ "تہذیبِ نسواں" کے بانی مدیر تھے، دیو بند ضلع سہارن پور (یو۔پی، انڈیا) کے رہنے والے تھے۔

امتیاز علی تاج نے سنٹرل ماڈل سکول لوئر مال لاہور سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے پاس کیا۔ انھیں سکول کے زمانے ہی سے لکھنے لکھانے کے ساتھ دل چسپی تھی۔ ابھی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ انھوں نے ایک ادبی رسالہ "کہکشاں" نکالنا شروع کر دیا مگر ڈراما نگاری کا شوق کالج کے زمانے میں پیدا ہوا جہاں وہ کالج کے ڈرامیٹک کلب کے سرگرم رکن تھے اور اس فن میں انھوں نے اتنی ترقی کی کہ بائیس سال کی عمر میں ڈراما "انار کلی" لکھا جو ڈراما نگاری کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے بہت سے ریڈیائی اور سٹیج ڈرامے لکھے۔ انھوں نے انگریزی اور فرانسیسی زبان کے ڈراموں کا اس عمدگی سے اُردو ترجمہ کیا کہ ان کے کرداروں کو اپنے ماحول کے مطابق ڈھال لیا۔

امتیاز علی تاج مزاح نگار بھی تھے۔ مزاح نگاری کے ضمن میں اُن کا تخلیق کردہ ایک ڈرامائی کردار "چچا چھکن" ہے۔ انھوں نے بچوں کے لیے بھی متعدد ڈرامے لکھے جن میں شاملِ کتاب ڈراما "آرام و سکون" بھی ہے۔ "آرام و سکون" کا لبِ لباب یہ ہے کہ جن گھروں میں غُل غپاڑا ہوتا ہے اُن کا سکون برباد ہو جاتا ہے اور ایسے گھروں کے مکین، جو دفتروں میں ملازم ہیں مگر اُن کو گھروں میں آرام و سکون میسّر نہیں ہوتا، تو وہ اپنے گھروں پر دفتروں کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔

● ●

Scanned with CamScanner

آرام و سکون

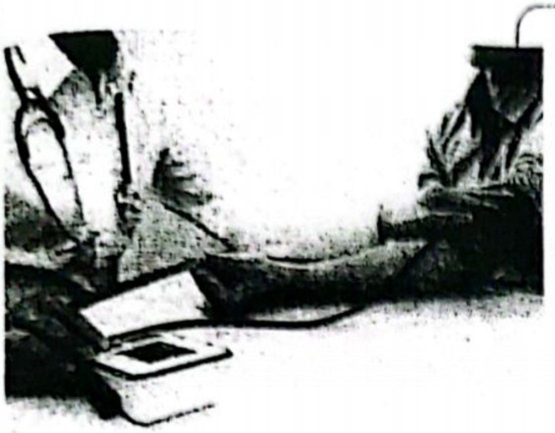

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو ڈراما نگاری کے فن سے روشناس کرنا۔
۲۔ طلبہ کو بتانا کہ کہانی مکالموں کے ذریعے کیسے آگے بڑھتی ہے۔
۳۔ طلبہ کو اُردو ڈراما نگاری میں سیّد امتیاز علی تاج کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کرنا۔
۴۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ مزاحیہ تحریر یا مکالمے سادہ ہی کیوں نہ ہوں، ہنسنے ہنسانے کی چیز نہیں بلکہ بین السطور کوئی مقصد یا پیغام بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔
۵۔ ڈراما "آرام و سکون" کے ذریعے طلبہ کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانا کہ بیمار کو آرام و سکون کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ شور غل سے زِچ آجاتا ہے۔
۶۔ طلبہ کو حروف کی چند اقسام، سابقے لاحقے اور مکالمہ نگاری کے بارے میں آگاہ کرنا۔

(اہم کردار)

ڈاکٹر ---معالج　　بیوی ---بیگم اشفاق　　میاں ---اشفاق　　للّو ---گھر کا ملازم

فقیر　　ننّھا　　سقّا

(منظر)

(میاں اشفاق (مریض) بیمار ہیں اور کمرے میں بستر پر لیٹے ہیں کہ ایک ڈاکٹر ان کا معائنہ کر چکنے کے بعد اُن کی بیوی کو تاکید کرتا ہے کہ اُن کے آرام و سکون کا خیال رکھا جائے۔)

●

ڈاکٹر: جی نہیں بیگم صاحبہ! تردّد کی کوئی بات نہیں، مَیں نے بہت اچھی طرح معائنہ کر لیا ہے۔ صرف تکان کی وجہ سے حرارت ہو گئی ہے۔ ان دنوں آپ کے شوہر غالباً کام بہت زیادہ کرتے ہیں۔

بیوی: ڈاکٹر صاحب ان دنوں کیا، ان کا ہمیشہ سے یہی حال ہے۔ صبح دس بجے دفتر جا کر شام سات بجے سے پہلے کبھی واپس نہیں آتے۔

ڈاکٹر: جبھی تو! میرے خیال میں انھیں دوا سے زیادہ آرام و سکون کی ضرورت ہے۔ کاروبار کی پریشانیاں اور اُلجھنیں بھُلا کر ایک بھی روز آرام و سکون سے گزرا تو طبیعت ان شاء اللہ بحال ہو جائے گی۔

بیوی: بیسیوں مرتبہ کہ چکی ہوں کہ اتنا کام نہ کیا کرو۔ نصیبِ دشمناں صحت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے مگر خاک اثر نہیں ہوتا۔ ہمیشہ یہی کہ دیتے ہیں، کیا کیا جائے۔ ان دنوں کام بے طرح زوروں پر ہے۔

ڈاکٹر: ہر روز تھوڑا تھوڑا وقت آرام و سکون کے لیے نہ نکالا جائے تو پھر بیمار پڑ کر بہت زیادہ وقت نکالنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔

بیوی: یہ بات آپ نے انھیں بھی سمجھائی؟ مَیں نے کہاں سُن رہے ہو؟ ڈاکٹر صاحب کیا کہ رہے ہیں؟

Scanned with CamScanner

میاں: ہوں۔۔۔!

ڈاکٹر: جی ہاں! میں نے سمجھا کر اچھی طرح تاکید کر دی ہے کہ دن بھر خاموش لیٹے رہیں۔

بیوی: تو تاکید کیا میں نہیں کرتی؟ مگر ان پر کسی کے کہنے کا کچھ اثر بھی ہو!

ڈاکٹر: جی نہیں! ابھی انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ پورے طور سے میری ہدایات پر عمل کریں گے۔

بیوی: اور دوا کس کس وقت دینی ہے؟

ڈاکٹر: جی نہیں! دوا کی مطلق ضرورت نہیں۔ بس آپ صرف ان کے آرام و سکون کا خیال رکھیے۔ غذا جو کچھ دینی ہے، میں لکھ چکا ہوں۔

بیوی: بڑی مہربانی آپ کی۔

ڈاکٹر: تو پھر اجازت!!

بیوی: فیس مَیں آپ کو بھجوا دوں گی۔

ڈاکٹر: اس کی کوئی بات نہیں۔ آجائے گی۔

بیوی: (اونچی آواز سے پکار کر) ارے للّو! مَیں نے کہا ڈاکٹر صاحب کا بیگ باہر کار میں پہنچا دیجیو۔

ڈاکٹر: ایک بات عرض کر دوں بیگم صاحبہ! مریض کے کمرے میں شور و غل نہیں ہونا چاہیے۔ اعصاب پر اس کا بہت مضر اثر پڑتا ہے۔ خاموشی اعصاب کو ایک طرح کی تقویت بخشتی ہے۔

بیوی: مجھے کیا معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب؟ آپ اطمینان رکھیں اُن کے کمرے میں پرندہ پر نہ مارے گا۔ (ملازم آتا ہے)

للّو: حضور!

ڈاکٹر: اٹھالو یہ بیگ۔ تو آداب!

بیوی: آداب! (ڈاکٹر اور ملازم جاتے ہیں۔ قریب آکر) مَیں نے کہا سو گئے کیا؟

میاں: ہُوں! یوں ہی چُپکا پڑا تھا۔

بیوی: بس بس۔ بس بس چپکے ہی پڑے رہیے۔ ڈاکٹر صاحب بہت سخت تاکید کر گئے ہیں کہ نہ آپ بات کریں نہ کوئی آپ کے کمرے میں بات کرے۔ اس سے بھی تھکان ہوتی ہے۔ تمام وقت پورے آرام و سکون سے گزاریں۔ سمجھ گئے ناں؟

میاں: ہُوں۔ (کراہتا ہے)

بیوی: کیوں بدن ٹوٹ رہا ہے کیا؟

میاں: ہوں!

بیوی: کہو تو دبا دوں؟

میاں: ہوں!

بیوی: سونے کو جی چاہ رہا ہو تو چلی جاؤں؟

میاں: اچھی بات۔ (کراہتا ہے)

بیوی: اگر پیچھے کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو؟ اچھا بلانے کی گھنٹی پاس رکھے جاتی ہوں۔ گھنٹی کہاں گئی؟ رات مَیں نے آپ یہاں میز پر رکھی تھی۔ اللہ جانے یہ کون اللہ مارا میری چیزوں کو اُلٹ پلٹ کرتا ہے؟

(کنڈی کی آواز) کون ہے یہ نامراد؟ ارے للّو! ادیکھو، یہ کون کواڑ توڑے ڈال رہا ہے؟

للّو: (دور سے) سقّا ہے بیوی جی!

بیوی: سقا؟ گھر میں بہرے بستے ہیں جو کم بخت اس زور سے کنڈی کھٹکھٹاتا ہے؟ اللہ ماروں کو اتنا خیال بھی تو نہیں آتا کہ گھر میں کوئی بیمار پڑا ہے۔ ڈاکٹر نے تاکید کر رکھی ہے کہ شور وغل نہ ہونے پائے اور اس سے کہو یہی وقت ہے، پانی لانے کا؟ اچھی خاصی دوپہر ہونے کو آگئی ہے۔ کل سے اتنی دیر میں آیا تو نوکری سے الگ کر دوں گی۔ مَیں نامراد کو بیسیوں مرتبہ کہلا چکی ہوں کہ صبح سویرے ہو جایا کرے، کان پر جوں نہیں رینگتی۔

میاں: ارے بھئی! اب بخشو اُسے۔

بیوی: بخشوں کیسے؟ ذرا طرح دو تو یہ لوگ سر پر سوار ہو جاتے ہیں۔

میاں: ہوں۔ (کراہتا ہے)

بیوی: کیوں زیادہ درد محسوس ہو رہا ہے؟

میاں: ہوں۔

بیوی: للّو سے کہوں آ کر دبا دے؟

میاں: اُوں ہُوں۔

بیوی: یہ دیکھو۔ یہاں انگیٹھی پر رکھی ہے۔ آپ بتایئے آپ سے آپ آگئی یہاں؟ پاؤں تھے اس کے؟ یہ سب حرکتیں اس للّو کی ہیں۔ کم بخت نے قسم کھا رکھی ہے کہ کوئی بھی چیز ٹھکانے پر نہ رہنے دے گا۔ اللہ جانے یہ نامراد میری چیزوں کو ہاتھ لگاتا کیوں ہے؟ للّو! ارے للّو!

میاں: ارے بھئی کیوں ناحق غل مچا رہی ہو۔ گھنٹی رات مَیں نے خود میز پر سے اٹھا کر انگیٹھی پر رکھ دی تھی۔ ہُوں! (کراہتا ہے)

بیوی: تم نے؟ اے ہے، وہ کیوں؟

میاں: نَنھا بار بار بجائے جا رہا تھا۔ میرا دَم اُلجھنے لگا تھا۔ (کراہتا ہے)

للّو: (آ کر) مجھے بلایا ہے بیوی جی؟

Scanned with CamScanner

بیوی: کم بخت اتنی دیر سے آوازیں دے رہی ہوں، کہاں مر گیا تھا؟

للّو: آپ نے ریٹھے کوٹنے کو کہا، وہ گودام میں ڈھونڈ رہا تھا۔

میاں: ہُوں۔ (کراہتا ہے)

بیوی: صبح سویرے کہا تھا، کم بخت تجھے اب تک ریٹھے مل نہیں چکے؟

للّو: جی مہلت بھی ملے۔ اِدھر گودام میں جاتا ہوں، اُدھر کوئی بلا لیتا ہے۔

بیوی: ہاں بڑا کام رہتا ہے ناں! بے چارے کو سر کھجانے کو فرصت نہیں ملتی۔ بھاگ یہاں سے۔ نکل، جا کر ریٹھے ڈھونڈ۔ (للّو جاتا ہے) تو یہ گھنٹی یہاں تمھارے سرھانے رکھ جاتی ہوں۔

میاں: (کراہ کر) کواڑ بند کرتی جانا۔

بیوی: پیچھے اکیلے میں جی تو نہ گھبرائے گا تمھارا؟

میاں: (تنگ آکر) نہیں بابا نہیں۔

بیوی: ارے ہاں۔ یہ تو مَیں نے دیکھا ہی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کھانے کے لیے کیا کیا چیزیں لکھ گئے ہیں۔ کہاں گیا ان کا لکھا ہوا کاغذ؟ اے لو یہ نیچے پڑا ہوا ہے۔ ابھی کہیں کوڑے میں چلا جاتا تو۔ ہوں۔ مالٹِڈ ملک (Malted Milk) نارنگی کا رس، ساگودانے کی کھیر، کیا تیار کرا دوں اس وقت کے لیے؟

میاں: جو جی چاہے۔

بیوی: اس میں میرے جی چاہنے کا کیا سوال؟ کھانا آپ کو ہے یا مجھے؟

میاں: ساگودانہ بنا دینا تھوڑا سا۔

بیوی: بس! اس سے کیا بنے گا؟ یخنی پی لیتے تھوڑی سی۔ چوزے کی یخنی بنوائے دیتی ہوں۔ مقوی چیز ہے۔

میاں: بنوا دو۔

بیوی: (دو قدم چلتی ہے) مگر مَیں نے کہا۔ دیر لگ جائے گی یخنی کی تیاری میں، چوزہ بازار سے منگوانا ہوگا۔ اس للّو کو تو جانتے ہو۔ بازار جاتا ہے تو وہیں کا ہو رہتا ہے۔

میاں: اوں ہُوں۔

بیوی: تو پھر یوں کرتی ہوں۔ (صحن میں بچہ پَٹ پَٹ گاڑی چلانے لگتا ہے)

میاں: ارے بھئی، اب یہ کیا کھٹ پَٹ شروع ہو گئی۔

بیوی: ننھا ہے آپ کا۔ عید کے روز میلے میں سے یہ کھلونا گاڑی لے آیا تھا۔ نہ اس کم بخت کا دل اس سے بھرتا ہے نہ وہ کم بخت ٹوٹتی

[illegible] نے کہا تجھے نہیں مانے گا نامراد؟ چھوڑ اس اپنی پٹ پٹ کو [illegible] بھولے لیے پھر رہا ہے۔ صاحب زادے کا دل کسی طرح پڑھونے ہی میں نہیں آتا۔ چولھے میں جھونک دوں گی اس کم بخت کو، اتنا خیال بھی نہیں آتا ابا بیمار پڑے ہیں۔

شور وغل سے ان کی طبیعت گھبراتی ہے۔

ہوں۔ (کراہتا ہے)

کم نہیں ہوا درد؟

میاں: اوں ہُوں۔

بیوی: تو مَیں کیا کہہ رہی تھی؟ کھانے کا پوچھ رہی تھی۔

(پھر منّھے کی پٹ پٹ کی آواز) پھر وہی۔ نہیں مانے گا نامراد، ٹھہر تو جا (غصّے میں جاتی ہے۔ میاں کراہتا ہے۔ دور سے بیوی کی آواز آرہی ہے۔)

چھوڑ ابھی یہ پٹ پٹ۔ (بچّہ رونے لگتا ہے) چُپ نامراد، اتنا خیال نہیں ابا بیمار پڑے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے شور وغل نہ ہو، انھیں تکلیف ہوگی۔ چُپ! خبردار جو آواز نکالی۔ گلا گھونٹ ڈالوں گی۔ (بچّہ رونا بند کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے)

کم بخت کا جو کھیل ہے، ایسا ہی بے ڈھنگا ہے۔ چل ادھر نہیں چپ ہوگا تُو؟ (کھینچتی ہوئی لے جاتی ہے۔ میاں اس ہنگامے سے زِچ ہو کر کراہے جا رہا ہے۔ بیوی کی آواز غائب ہوتے ہی کمرے میں جھاڑو پھرنے کی آواز آنے لگتی ہے۔)

میاں: (چونک کر) ہوں؟ ارے بھئی یہ گرد کہاں سے آنے لگی؟ لاحول ولا قوۃ۔ ارے کیا ہو رہا ہے؟

ملازم: جھاڑو دے رہا ہوں میاں!

میاں: کم بخت دفع ہو یہاں سے۔

ملازم: جھاڑو نہ دی تو خفا ہوں گی بی بی جی۔

میاں: بی بی جی کا بچّہ نکل یہاں سے۔ کہہ دے اُن سے۔ (ملازم جاتا ہے) کواڑ بند کر کے جا۔ (میاں کراہ کر چپ ہو جاتا ہے، ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے اور بجتی رہتی ہے۔) ارے بھئی کہاں گئیں؟ ارے کوئی ٹیلی فون سننے تو آؤ۔ لاحول ولا قوۃ۔ (خود اُٹھتا ہے) ہیلو، مَیں اشفاق بول رہا ہوں۔ بیگم اشفاق کسی کام میں مصروف ہیں۔ اس وقت کمرے میں نہیں ہیں جی۔ یہاں کوئی ایسا نہیں جو اُنھیں بُلا لائے۔ میں علیل ہوں۔ کیا فرمایا آپ نے؟ آواز دینے کے لیے ضروری نہیں کہ گلا بھی خراب ہو۔ آپ پھر کسی وقت فون کر لیجیے گا۔ مَیں نے عرض کیا ناں، چوں کہ مَیں بیمار ہوں، کمرے سے باہر نہیں جا سکتا۔ (زور سے فون بند کرتا ہے) بد تہذیب۔۔۔ گستاخ کہیں کی۔۔۔ ہُوں۔

بیوی: مجھے بلایا تھا؟ ہے ہے تم اُٹھے کیوں!

میاں: اتنی آوازیں دیں کوئی سنے بھی!

Scanned with CamScanner

بیوی: توبہ توبہ، لیٹو لیٹو، مَیں ذرا گودام میں چلی گئی تھی۔ للّو کو ریٹھے نکال کر دے رہی تھی۔ بلایا کیوں تھا؟ (ہمسائے کے ہاں گانا شروع ہوتا ہے۔)

میاں: فون تھا تمھارا۔

بیوی: کس نے کیا تھا؟

میاں: ہو گا کوئی۔ اب مجھے کیا پتا؟

بیوی: جب اُٹھ ہی کھڑے ہوئے تھے تو نام پوچھ لینا کوئی گناہ تھا؟

میاں: مَیں نے کہ دیا تھا پھر کرلیں فون۔

بیوی: مفت کی اُلجھن میں ڈال دیا۔ اللہ جانے کون تھی اور کیا چاہتی تھی؟

میاں: ارے بھئی کوئی ایسا ضروری کام نہیں تھا ورنہ مجھے پیغام نہ دے دیتیں۔ تم خدا کے لیے ان ہمسائے کے صاحب نادے کا ہارمونیم اور گانا بند کراؤ۔ میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔

بیوی: اب اسے کیوں کر روک دوں مَیں؟

میاں: بابا ایک دفعہ لکھ کر بھیج دو۔ مَیں بیمار ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے میرے لیے آرام و سکون کی ضرورت ہے۔ ایک روز ان صاحب زادے نے نغمہ سرائی نہ فرمائی تو دنیا کسی بہت بڑی نعمت سے محروم نہ ہو جائے گی!

بیوی: کہے تو دیتی ہوں مگر کہیں چڑ نہ جائیں۔

میاں:: مناسب الفاظ میں لکھو ناں۔ ہُوں (کراہتا ہے)

(بے سُرے گانے کا شور جاری ہے۔ میاں کراہ رہا ہے۔ یک لخت بچّے کے رونے کی آواز)

بیوی: ارے کیا ہو گیا ننّھے؟

بچّہ: (زور سے) گر پڑا، خون نکل آیا۔

بیوی: (زور سے) خط لکھ رہی ہوں۔ ابھی آئی، چُپ ہو جا۔

میاں: (کراہتے ہوئے) یک نہ شُد دو شُد۔

بیوی: توبہ آپ تو بُو کھلا دیتے ہیں۔ دیکھ رہے ہیں، خط لکھ رہی ہوں۔ بچّے کو چپ کیوں کر کرا سکتی ہوں؟ نامراد چپ ہو جا۔ خون نکل آیا تو کیا قیامت آگئی؟ ابھی آ رہی ہوں دو سطریں لکھ لوں۔

(میاں کراہتا ہے۔ بے سُرے گانے اور بچّے کے رونے کی آواز جاری ہے۔)

میاں: ختم نہیں ہوا خط؟ جانے کیا دفتر لکھنے بیٹھ گئی ہو۔

بیوی: ابھی ہوا جاتا ہے کمبخت۔

(اس غل میں ایک فقیر کی آواز بھی شامل ہو جاتی ہے۔)

فقیر: بال بچّے کی خیر۔ راہِ مولا کچھ مل جائے فقیر کو۔

میاں: (کراہ کر) بس ان ہی کی کسر رہ گئی تھی۔ ہوں!

بیوی: تو اب مَیں تو اُسے بلا کر لے نہیں آئی۔

میاں: ارے تو خدا کے لیے اُسے رخصت تو کر آؤ۔

للّو: او للّو! ارے او للّو!

(للّو ہاون دستے میں ریٹھے کوٹنے شروع کر دیتا ہے۔ بے سُرے گانے میں بچّے کے رونے، فقیر کی صدا اور ہاون دستے کی دھمک شامل ہو جاتی ہے۔)

میاں: ہائے توبہ، توبہ ہائے!

بیوی: ارے نامراد ریٹھے پھر کوٹ لینا۔ پہلے اس فقیر کو رخصت تو کر دے۔ (للّو ریٹھے کوٹنے میں بیوی کی آواز نہیں سنتا۔)

میاں (جلدی جلدی کراہتا ہوا گھبرا کر اٹھ بیٹھتا ہے۔) میری ٹوپی اور شیروانی دینا۔

بیوی: ٹوپی اور شیروانی!!

میاں: ہاں مَیں دفتر جا رہا ہوں۔ ابھی دفتر جا رہا ہوں۔

بیوی: ہے ہے وہ کیوں؟

میاں: آرام و سکون کے لیے۔

(امتیاز علی تاج کے یک بابی ڈرامے)

• •

Scanned with CamScanner

مشق

(۱) ڈراما "آرام وسکون" کے متن کے حوالے سے دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) ڈاکٹر کے خیال میں مریض کو دوا سے زیادہ ضرورت تھی:

(الف) نیند کی (ب) تنہائی کی (ج) آرام وسکون کی (د) گپ شپ کی

(ii) میاں صاحب کا نام ہے:

(الف) اسحاق (ب) اشفاق (ج) عدنان (د) اشتیاق

(iii) ملازم گودام میں ڈھونڈ رہا تھا:

(الف) ہلدی (ب) ریٹھے (ج) نمک (د) مرچیں

(iv) گھنٹی میز پر سے اُٹھا کر انگیٹھی پر رکھی تھی:

(الف) خود میاں نے (ب) بیوی نے (ج) ملازم (للّو) نے (د) ننّھے نے

(v) میاں دفتر جانے کے لیے طلب کرتا ہے:

(الف) ٹوپی اور شیروانی (ب) ٹوپی اور جوتا (ج) ٹوپی اور مفلر (د) ٹوپی اور چھڑی

(۲) سبق "آرام وسکون" کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) ڈاکٹر نے مریض (میاں) کو دوا کے بجائے کیا تجویز کیا؟

(ب) گھر میں خدمت سے زیادہ شور وغُل ہو تو اس سے انسانی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(ج) صحت مند رہنے کے لیے اچھی خوراک کے علاوہ کیا چیز درکار ہے؟

(د) ہم سائے کی کون سی حرکت سے میاں کے آرام میں خلل واقع ہو رہا تھا؟

(ہ) میاں نے گھر میں آرام وسکون میسّر نہ آنے پر کہاں جانے کو ترجیح دی؟

۳۔ سبق "آرام و سکون" کے متن کے مطابق خالی جگہیں پُر کریں۔

(الف) میرے خیال میں دوا سے زیادہ ________ کی ضرورت ہے۔

(ب) بیسیوں مرتبہ کہ چکی ہوں کہ اتنا کام نہ کرو ________ صحت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

(ج) جی نہیں! دوا کی ________ ضرورت نہیں۔

(د) خاموشی اعصاب کو ایک طرح کی ________ بخشتی ہے۔

(ہ) ________ کو اتنا خیال بھی تو نہیں آتا کہ گھر میں کوئی بیمار پڑا ہے۔

حروف کی اقسام

حرف وہ کلمہ ہے جو نہ تو کسی شخص یا چیز کا نام ہو، نہ کسی کام کے کرنے یا ہونے کو ظاہر کرے اور نہ ہی اپنے الگ کوئی معنی رکھتا ہو بلکہ یہ مختلف کلموں کو آپس میں ملاتا اور ان کے ساتھ مل کر با معنی بنتا ہے۔ جیسے: "نمازی مسجد میں ہے۔" اس جملے میں لفظوں کا تعلق "میں" کی وجہ سے ہے اگر یہ نہ ہو تو جملہ بے معنی ہو جائے اور "میں" حرف ہے۔ اُردو میں حروف کی بہت سی اقسام ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- حروفِ جار: وہ حروف ہیں جو اسما اور افعال کو آپس میں ملاتے ہیں، مثلاً: میں، سے، پر، تک، ساتھ، اوپر، نیچے، لیے، واسطے، آگے، پیچھے، اندر، باہر، پاس، درمیان وغیرہ۔
- حروفِ اضافت: وہ حروف ہیں جو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ اردو میں بالعموم "کا، کے، کی" حروفِ اضافت ہیں اور زیادہ تر یہی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: طیّب کا سکول، تنزیلہ کی گڑیا وغیرہ
- حروفِ عطف: وہ حروف ہیں جو دو اسموں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرتے ہیں، مثلاً: امیر و غریب، احمد اور اسلم، بچّہ ذرا سا جاگا پھر سو گیا۔ ان مثالوں میں "و، اور، پھر" حروفِ عطف ہیں جو دو اسموں کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔
- حروفِ اِستفہام: وہ حروف ہیں جو کچھ پوچھنے یا سوال کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں، مثلاً: کیا، کیوں، کب، کون، کیسا، کس لیے، کس طرح، کتنا، کیوں کر، کس قدر، کہاں وغیرہ۔
- حروفِ تشبیہ: وہ حروف ہیں جو کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کے مشابہ یا مانند قرار دینے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً: مانند، کی طرح، جیسا، سا، جُوں، مِثل، مثال، صورت، بعینہٖ، ہو بہو، کا سا، کی سی وغیرہ۔
- حروفِ علّت: وہ حروف ہیں جو کسی بات کی علّت، وجہ یا سبب کو ظاہر کریں، جیسے: کیوں کہ، اس لیے، بدیں وجہ، بایں وجہ، بدیں سبب، تا کہ، اس لیے کہ، تا، چناں چہ، اس واسطے، اسی باعث کہ، لٰہذا وغیرہ۔
- حروفِ شرط و جزا: وہ حروف جو شرط کے موقع پر بولے جائیں، حروفِ شرط کہلاتے ہیں۔ حروفِ شرط کے بعد دوسرے جملے میں جو حروف لائے جاتے ہیں، انھیں حروفِ جزا کہتے ہیں۔ مثلاً: اگر وہ محنت کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔ جب وہ آیا تب میں گیا۔ ان جملوں میں "اگر" اور "جب" حروفِ شرط اور "تو" اور "تب" حروفِ جزا ہیں۔

Scanned with CamScanner

- حروفِ اضراب: وہ حروف ہیں جو ایک چیز کو رد گردانی کر کے یا ترقی دے کر اعلیٰ کو ادنیٰ یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتے ہیں، مثلاً: وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔ یہ تربوز بڑا ہی نہیں بلکہ میٹھا بھی ہے۔ ان دونوں مثالوں میں "بلکہ" حرفِ ضرب ہے۔
- حروفِ تردید: وہ حروف ہیں جو دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں، جیسے: غریب ہو یا امیر، اچھا ہو یا کہ برا، خواہ یہ لو خواہ وہ لو، چاہے رہیں چاہے چلے جائیں وغیرہ۔ جملوں میں "یا کہ، خواہ، چاہے" حروفِ تردید ہیں۔
- حرفِ بیان: وہ حرف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیا جائے اور وہ حرف "کہ" ہے۔ مثلاً: جب استاد نے شاگرد سے کہا کہ سبق پڑھو۔ باپ نے بیٹے سے کہا کہ محنت سے کام لو۔ وغیرہ۔

(۴) مندرجہ ذیل حروف کی اقسام کی تعریف بیان کریں اور دو دو مثالیں دیں۔

(الف) حروفِ استفہام (ب) حروفِ تشبیہ (ج) حروفِ شرط و جزا (د) حروفِ بیان (ہ) حروفِ تردید

سابقے لاحقے

اُردو زبان میں سابقوں اور لاحقوں کی اہمیت کسی بیان کی محتاج نہیں۔ ان کی مدد سے بے شمار الفاظ بنتے رہتے ہیں اور زبان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے۔

سابقہ: سابقہ سے مراد وہ علامت ہے جو نیا لفظ یا نئی ترکیب بنانے کے لیے کسی لفظ کے شروع میں لگائی جائے۔ مثلاً: خود غرض، خود شناس، خود مختار میں "خود" سابقہ ہے

لاحقہ: لاحقہ سے مراد وہ علامت ہے جو کسی لفظ کے آخر میں لگائی جائے۔ مثلاً: خطرناک، دردناک، غم ناک میں "ناک" لاحقہ ہے۔

(۵) سابقوں: "با، پیش، کم، ہم" اور لاحقوں: "آرا، پن، دار، ستان" کی مدد سے تین تین الفاظ بنائیں۔

مکالمہ نگاری

مکالمہ کے لغوی معنی تو کلام یا گفت گو کرنے کے ہیں مگر اصطلاح میں دو یا دو سے زیادہ افراد کے مابین کسی موضوع سے متعلق گفت گو کرنے کو مکالمہ کہتے ہیں۔ اچھا مکالمہ وہ ہے جس میں روز مرہ بول چال کا انداز اور بے تکلف لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہو اور جو حقیقی زندگی کے قریب تر ہو۔ تحریر و تقریر میں مکالمے کو خاص اہمیت حاصل ہے کیوں کہ بات چیت ہی سے کسی فرد کی شخصیت اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک اچھا مکالمہ لکھنے کے لیے درج ذیل امور کا ہمیشہ خیال رکھیں:

- گفت گو کرتے وقت مخاطب اور مخاطب الیہ کے مقام و مرتبہ کا خیال رکھا جائے۔
- مکالمہ لکھتے وقت زمانی اور مکانی ترتیب و تنظیم کا خیال رکھنا ضروری ہے۔
- مکالمہ نگاری میں رموزِ اوقاف کی علامتوں کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

- مکالمے میں تصنّع اور بناوٹ کے بجائے فطری بے ساختگی سے کام لیا جائے۔
- گفت گو کے ساتھ ساتھ جسمانی حرکات وسکنات اور اشارات کا بھی خیال رکھا جائے۔
- مکالمے کا اختتام فطری انداز میں ہونا چاہیے۔

(۶) ڈراما "آرام وسکون" مکالمہ نگاری کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس انداز کو ملحوظ رکھتے ہوئے استاد اور اس کے دو شاگردوں کے مابین "ٹریفک کے قوانین کیوں ضروری ہیں؟" کے موضوع پر ایک مکالمہ تحریر کریں۔

سرگرمیاں:

- طلبہ سیّد امتیاز علی تاج کا ایک اور مزاحیہ ڈراما "بیگم کی بلّی" تلاش کریں اور اسے بہ غور پڑھیں۔
- طلبہ ڈاکٹر اور مریض کے مابین ہونے والی مفروضہ گفت گو کو مکالمے کی صورت میں لکھیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ بیشتر ڈراموں میں معاشرے کے ناہموار پہلوؤں کو دل چسپ اور شگفتہ انداز میں موضوع بنایا جاتا ہے۔
۲۔ طلبہ کو یہ بھی بتائیں کہ ڈراما نگار کا مقصد باتوں ہی باتوں میں اصلاحِ احوال بھی ہوتا ہے۔
۳۔ اساتذہ کو چاہیے کہ وہ ڈراما "آرام وسکون" کی تدریس سے پہلے طلبہ کو طربیہ ڈراموں کی نوعیت سے متعارف کرائیں۔
۴۔ اساتذہ سیّد امتیاز علی تاج کا تعارف کراتے ہوئے اُن کے معروف ڈرامے "انار کلی" کا بھی ذکر کریں۔

غلام عباس

(۱۹۰۹ء-۱۹۸۲ء)

غلام عباس امرتسر (مشرقی پنجاب، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ دیال سنگھ ہائی سکول لاہور سے میٹرک پاس کیا۔ بعد ازاں علومِ شرقیہ کے امتحانات پاس کیے۔ لکھنے لکھانے کا شوق اُنھیں بچپن ہی سے تھا۔ ابتدائے عمر میں غیر ملکی افسانوں کے تراجم کیے۔ بچّوں کے رسالے "پھول" اور خواتین کے رسالے "تہذیبِ نسواں" کے مدیر رہے۔ ۱۹۳۸ء میں "آل انڈیا ریڈیو" سے منسلک ہو گئے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو غلام عباس بھی پاکستان آ گئے۔ کچھ عرصے بعد پنجاب ایڈوائزری بورڈ نے اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر نقد انعام سے نوازا اور حکومتِ پاکستان نے انھیں "ستارۂ امتیاز" کا اعزاز پیش کیا۔

غلام عباس اُردو افسانوی ادب میں کلاسیک کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی اہم تصانیف میں تین افسانوی مجموعے: "آنندی"، "کن رس" اور "جاڑے کی چاندنی" جب کہ تین ناولٹ: "گوندنی والا تکیہ"، "جزیرۂ سخن وراں" اور "دھنک" شامل ہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے فیلڈ مارشل صدر ایوب خان کی کتاب "Friends, not Masters" کا اُردو ترجمہ "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" کے نام سے کیا۔

اُردو افسانہ نگاری میں غلام عباس کا مقام اہم اور منفرد ہے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہ ہونے کے باوجود ان کے افسانوں میں ترقی پسندانہ رجحانات ملتے ہیں۔ انھوں نے زندگی کی صداقت اور فن کی لطافت کو یک جا کر کے نہ صرف اُردو افسانے کی اس روایت کو زندہ رکھا جس کا آغاز منشی پریم چند (۱۸۸۰ء-۱۹۳۶ء) سے ہوا تھا بلکہ اس میں اپنی شخصیت کا رنگ بھر کر اسے ترقی کی راہ پر گام زن بھی کیا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ غلام عباس اُس اردو افسانوی ادب کے آخری چراغ تھے جو پریم چند نے روشن کیا تھا۔

شاملِ کتاب افسانہ "کتبہ" اُن کے افسانوں کے مجموعے "آنندی" سے مستعار ہے جو اُن کے وسیع مشاہدے اور باریک بینی کی عمدہ مثال ہے۔

● ●

کتبہ

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو صدر دروازے کے باہر نام کی تختی اور قبروں کے کتبوں کے مفہوم سے آگاہ کرنا۔

۲۔ طلبہ کو غلام عباس کے افسانوی رنگ و اسلوب اور ان کے افسانوی مجموعوں کے ناموں سے آگاہ کرنا۔

۳۔ طلبہ کو ضرب المثل: ''تدبیر کُند بندہ، تقدیر زند خندہ'' کا مفہوم سمجھانا۔

۴۔ طلبہ کو سرکاری ملازمین بالعموم کلرکوں کے طور طریقوں اور ان کے کاموں کی نوعیت سے آگاہ کرنا۔

۵۔ طلبہ کو افسانوی یا غیر افسانوی نثر پارہ پڑھنے کا کہنا اور اس میں موجود معلومات سے رُوشناس کرنا۔

شہر سے کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر پُر فضا باغوں اور پھلواریوں میں گھری ہوئی قریب قریب ایک ہی وضع کی بنی ہوئی عمارتوں کا ایک سلسلہ ہے جو دُور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ عمارتوں میں کئی چھوٹے بڑے دفتر ہیں جن میں کم و بیش چار ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ دن کے وقت اس علاقے کی چہل پہل اور گہما گہمی عموماً کمروں کی چار دیواریوں ہی میں محدود رہتی ہے مگر صبح کو ساڑھے دس بجے سے پہلے اور سہ پہر کو ساڑھے چار بجے کے بعد وہ سیدھی اور چوڑی چکلی سڑک، جو شہر کے بڑے دروازے سے اس علاقے تک جاتی ہے، ایک ایسے دریا کا روپ دھار لیتی ہے جو پہاڑوں پر سے آیا ہو اور اپنے ساتھ بہت سا خس و خاشاک بہا لایا ہو۔

گرمی کا زمانہ، سہ پہر کا وقت، سڑکوں پر درختوں کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے تھے مگر ابھی تک زمین کی تپش کا یہ حال تھا کہ جوتوں کے اندر تلوے جھلسے جاتے تھے۔ ابھی ابھی ایک چھڑکاؤ گاڑی گزری تھی۔ سڑک پر جہاں جہاں پانی پڑا تھا بخارات اٹھ رہے تھے۔ شریف حسین کلرک درجہ دوم، معمول سے کچھ سویرے دفتر سے نکلا اور اس بڑے پھاٹک کے باہر آ کر کھڑا ہو گیا جہاں سے تانگے والے شہر کی سواریاں لے جایا کرتے تھے۔

گھر لوٹتے ہوئے آدھے راستے تک تانگے میں سوار ہو کر جانا ایک ایسا لطف تھا جو اسے مہینے کے شروع کے صرف چار پانچ روز ہی ملا کرتا تھا اور آج کا دن بھی انھی مبارک دنوں میں سے ایک تھا۔ آج خلافِ معمول تنخواہ کے آٹھ روز بعد اس کی جیب میں پانچ روپے کا نوٹ اور کچھ آنے پیسے پڑے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی بیوی مہینے کے شروع ہی میں بچوں کو لے کر میکے چلی گئی تھی اور گھر میں وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ دن میں دفتر کے حلوائی سے دو چار پوریاں لے کر کھالی تھیں اور اوپر سے پانی پی کر پیٹ بھر لیا تھا۔ رات کو شہر کے کسی سستے سے ہوٹل میں جانے کی ٹھہرائی تھی۔ بس بے فکری ہی بے فکری تھی۔ گھر میں کچھ ایسا اثاثہ تھا نہیں جس کی رکھوالی کرنی پڑتی، اس لیے وہ آزاد تھا کہ جب چاہے گھر جائے اور چاہے تو ساری رات سڑکوں پر گھومتا رہے۔

تھوڑی دیر میں دفتروں سے کلرکوں کی ٹولیاں نکلنی شروع ہوئیں اور ان میں ٹائپسٹ[1]، ریکارڈ کیپر[2]، ڈسپیچر[3]، اکاؤنٹنٹ[4]، ہیڈ کلرک[5]، سپرنٹنڈنٹ[6] غرض ادنیٰ و اعلیٰ ہر درجہ اور حیثیت کے کلرک تھے اور اسی لحاظ سے ان کی وضع قطع بھی ایک دوسرے سے جدا تھی۔ مگر

[1] Typist [2] Record keeper [3] Dispatcher [4] Accountant [5] Head Clerk [6] Superintendent

بعض ٹائپ خاص طور پر نمایاں تھے۔ سائیکل سوار آدھی آستینوں کی قمیص، خاکی زین کے نیکر اور چپل پہنے، سر پر سولا ہیٹ رکھے، کلائی پر گھڑی باندھے، رنگ دار چشمہ لگائے، بڑی بڑی توندوں والے بابو چھاتا کھولے، مُنھ میں بیڑی، بغلوں میں فائلوں کے گٹھے دبائے۔ ان فائلوں کو وہ قریب قریب ہر روز اس اُمید میں ساتھ لے جاتے کہ جو گتھیاں وہ دفتر کے غُل غپاڑے میں نہیں سلجھا سکے، ممکن ہے گھر کی یک سُوئی میں اُن کا کوئی حل سوجھ جائے مگر گھر پہنچتے ہی وہ گرہستی کاموں میں ایسے الجھ جاتے کہ انھیں دیکھنے تک کا موقع نہ ملتا اور اگلے روز انھیں یہ مفت کا بوجھ جوں کا توں واپس لے آنا پڑتا۔

بعض منچلے تانگے، سائیکل اور چھاتے سے بے نیاز، ٹوپی ہاتھ میں، کوٹ کاندھے پر، گریبان کھلا ہوا جسے بٹن ٹوٹ جانے پر انھوں نے سیفٹی پن سے بند کرنے کی کوشش کی تھی اور جس کے نیچے سے چھاتی کے گھنے بال پسینے میں تربتر نظر آتے تھے، نئے رنگروٹ سستے، سلے سلائے ڈھیلے ڈھالے بد قطع سوٹ پہنے اس گرمی کے عالم میں واسکٹ اور نکٹائی کالر تک سے لیس، کوٹ کی بالائی جیب میں دو دو تین تین فونٹین پین اور پنسلیں لگائے خراماں خراماں چلے آرہے تھے۔

گو اُن میں سے زیادہ تر کلرکوں کی مادری زبان ایک ہی تھی مگر وہ لہجہ بگاڑ بگاڑ کر غیر زبان میں باتیں کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ وہ طمانیت نہ تھی جو کسی غیر زبان پر قدرت حاصل ہونے پر اس میں باتیں کرنے پر اکساتی ہے بلکہ یہ کہ انھیں دفتر میں دن بھر اپنے افسروں سے اسی غیر زبان میں بولنا پڑتا تھا اور اس وقت وہ باہم بات چیت کر کے اس کی مشق بہم پہنچا رہے تھے۔

ان کلرکوں میں ہر عمر کے لوگ تھے۔ ایسے کم عمر بھولے بھالے ناتجربہ کار بھی جن کی ابھی مسیں بھی پوری نہیں بھیگی تھیں اور جنھیں ابھی سکول سے نکلے تین مہینے بھی نہیں ہوئے تھے اور ایسے عمر رسیدہ جہاں دیدہ گھاگ بھی جن کی ناک پر سال ہا سال عینک کے استعمال کے باعث گہرا نشان پڑ گیا تھا اور جنھیں اس سڑک کے اتار چڑھاؤ دیکھتے دیکھتے پچیس پچیس، تیس تیس برس ہو چکے تھے۔ بیش تر کارکنوں کی پیٹھ میں گُدی میں ذرا نیچے خم سا آگیا تھا اور کُند اُستروں سے متواتر ڈاڑھی مونڈتے رہنے کے باعث ان کے گالوں اور ٹھوڑی پر بالوں میں جڑیں پھوٹ نکلی تھیں، جنھوں نے بے شمار ننھی پھنسیوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ پیدل چلنے والوں میں بہتیرے لوگ بخوبی جانتے تھے کہ دفتر سے ان کے گھر کو جتنے راستے جاتے ہیں ان کا فاصلہ کتنے ہزار قدم ہے۔ ہر شخص افسروں کے چڑچڑے پن یا ماتحتوں کی نالائقی پر نالاں نظر آتا تھا۔

ایک تانگے کی سواریوں میں ایک کی کمی دیکھ کر شریف حسین لپک کر اس میں سوار ہو گیا۔ تانگا چلا اور تھوڑی دیر میں شہر کے دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ شریف حسین نے اِکنّی نکال کر کوچوان کو دی اور گھر کے بجائے شہر کی جامع مسجد کی طرف چل پڑا، جس کی سیڑھیوں کے گرداگرد ہر روز شام کو کُہنہ فروشوں اور سستا مال بیچنے والوں کی دکانیں سجا کرتی تھیں اور میلا سا لگا کرتا تھا۔ دنیا بھر کی چیزیں اور ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ یہاں ملتے تھے۔ اگر مقصد خرید و فروخت نہ ہو تو بھی یہاں اور لوگوں کو چیزیں خریدتے، مول تول کرتے دیکھنا بجائے خود ایک پُر لطف تماشا تھا۔

شریف حسین لیکچر باز حکیموں، سنیاسیوں، تعویذ گنڈے بیچنے والے سیانوں اور کھڑے کھڑے تصویر اتار دینے والے فوٹوگرافروں کے جم گھٹوں کے پاس ایک ایک دو دو منٹ رکتا، سیر دیکھتا اُس طرف جا نکلا جہاں کباڑیوں کی دکانیں تھیں۔ یہاں اُسے مختلف قسم کی بے شمار چیزیں نظر آئیں۔ ان میں سے بعض ایسی تھیں جو اپنی اصلی حالت میں بلاشبہ صنعت کا اعلیٰ نمونہ ہوں گی مگر ان کباڑیوں کے ہاتھ پڑتے پڑتے یا تو ان کی صورت اس قدر مسخ ہو گئی تھی کہ پہچانی ہی نہ جاتی تھی یا اُن کا کوئی حصّہ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا، جس سے وہ بے کار ہو گئی تھیں۔ چینی کے ظروف اور گل دان، ٹیبل لیمپ، گھڑیاں، جلی ہوئی بیٹریاں، چوکھٹے، گراموفون کے کل پرزے، جراحی کے آلات، ستار، بھُس بھرا ہرن، پیتل کے لم ڈھینگ، بدھ کا نیم قد مجسمہ۔۔۔

ایک دکان پر اس کی نظر سنگِ مرمر کے ایک ٹکڑے پر پڑی جو معلوم ہوتا تھا کہ مغل بادشاہوں کے کسی مقبرے یا بارہ دری سے اکھاڑا گیا ہے۔ اس کا طول کوئی سوا فٹ تھا اور عرض ایک فٹ۔ شریف حسین نے اس ٹکڑے کو اٹھا کر دیکھا۔ یہ ٹکڑا ایسی نفاست سے تراشا گیا تھا کہ اس نے محض یہ دیکھنے کے لیے بھلا کباڑی اس کے کیا دام بتائے گا، قیمت دریافت کی۔

"تین روپے!" کباڑی نے اس کے دام کچھ زیادہ نہیں بتائے تھے مگر آخر اُسے اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اُس نے ٹکڑا رکھ دیا اور چلنے لگا۔ "کیوں حضرت چل دیے؟ آپ بتائیے کیا دیجیے گا!"

وہ رک گیا۔ اسے یہ ظاہر کرتے ہوئے شرم سی آئی کہ اسے اس چیز کی ضرورت نہ تھی اور اس نے محض اپنے شوقِ تحقیق کو پورا کرنے کے لیے قیمت پوچھی تھی۔ اس نے سوچا، دام اس قدر کم بتاؤ کہ جو کباڑی کو منظور نہ ہوں۔ کم از کم وہ اپنے دل میں یہ تو نہ کہے کہ یہ کوئی کنگلا ہے جو دکان داروں کا وقت ضائع اور اپنی حرص پوری کرنے آیا ہے۔

"ہم تو ایک روپیا دیں گے۔" یہ کہہ کر شریف حسین نے چاہا کہ جلد جلد قدم اٹھاتا ہوا کباڑی کی نظروں سے اوجھل ہو جائے مگر اس نے اس کی مہلت ہی نہ دی، "اجی سنیے تو، کچھ زیادہ نہیں دیں گے؟ سوا روپیا بھی نہیں۔۔۔ اچھا لے جائیے۔"

شریف حسین کو اپنے آپ پر غصّہ آیا کہ مَیں نے بارہ آنے کیوں نہ کہے۔ اب لوٹنے کے سوا کوئی چارہ ہی کیا تھا۔ قیمت ادا کرنے سے پہلے اس نے اس مرمریں ٹکڑے کو اٹھا کر دوبارہ دیکھا بھالا کہ اگر ذرا سا بھی نقص نظر آئے تو اس سودے کو منسوخ کر دے۔ مگر وہ ٹکڑا بے عیب تھا۔ نہ جانے کباڑی نے اسے اس قدر سستا کیوں بیچنا قبول کیا تھا۔

رات کو جب وہ کھُلے آسمان کے نیچے اپنے گھر کی چھت پر اکیلا بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا تو اس سنگِ مرمر کے ٹکڑے کا ایک مصرف اس کے ذہن میں آیا۔ خدا کے کارخانے عجیب ہیں۔ وہ بڑا غفور الرّحیم ہے۔ کیا عجب اس کے دن پھر جائیں۔ وہ کلرک درجہ دوم سے ترقی کر کے سپرنٹنڈنٹ بن جائے اور اس کی تنخواہ چالیس سے بڑھ کر چار سو ہو جائے۔۔۔ یہ نہیں تو کم سے کم ہیڈ کلرک ہی سہی۔ پھر اسے ساجھے کے مکان میں رہنے کی ضرورت نہ رہے بلکہ وہ کوئی چھوٹا سا مکان لے لے اور اس مرمریں ٹکڑے پر اپنا نام کندہ کرا کے دروازے کے باہر نصب کر دے۔ مستقبل کی یہ خیالی تصویر اس کے ذہن پر کچھ اس طرح چھا گئی کہ یا تو وہ اس مرمریں ٹکڑے کو بالکل

بے مصرف سمجھتا تھا یا اب اسے ایسا محسوس ہونے لگا گویا وہ ایک عرصے سے اس قسم کے ٹکڑے کی تلاش میں تھا اور اگر اسے نہ خریدتا تو بڑی بھول ہوتی۔

شروع شروع میں جب وہ ملازم ہوا تھا تو اس کا کام کرنے کا جوش اور ترقی کا ولولہ انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ مگر دو سال کی سعی لاحاصل کے بعد رفتہ رفتہ اس کا یہ جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور مزاج میں سکون آ چلا تھا۔ مگر سنگِ مرمر کے ٹکڑے نے پھر اس کے خیالوں میں ہلچل ڈال دی۔ مستقبل کے متعلق طرح طرح کے خوش آیند خیالات ہر روز اس کے دماغ میں چکر لگانے لگے۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، دفتر جاتے، دفتر سے آتے، کوٹھیوں کے باہر لوگوں کے نام کے بورڈ دیکھ کر۔ یہاں تک کہ جب مہینا ختم ہوا اور اسے تنخواہ ملی تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ سنگِ مرمر کے ٹکڑے کو شہر کے ایک مشہور سنگ تراش کے پاس لے گیا جس نے بہت چابک دستی سے اس پر اس کا نام کندہ کر کے کونوں میں چھوٹی چھوٹی خوش نما بیلیں بنا دیں۔ اس سنگِ مرمر کے ٹکڑے پر اپنا نام کھدا ہوا دیکھ کر اسے ایک عجیب سی خوشی ہوئی۔ زندگی میں شاید یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنا نام اس قدر جلی حروف میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔

سنگ تراش کی دکان سے روانہ ہوا تو بازار میں کئی مرتبہ اس کا جی چاہا کہ کتبہ پر سے اس اخبار کو اتار ڈالے جس میں سنگ تراش نے اسے لپیٹ دیا تھا اور اس پر ایک نظر اور ڈال لے مگر ہر بار ایک نامعلوم حجاب جیسے اس کے ہاتھ پکڑ لیتا۔ شاید وہ راہ چلتوں کی نگاہوں سے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ اس کتبہ کو دیکھ کر اس کے ان خیالات کو نہ بھانپ جائیں جو پچھلے کئی دنوں سے دماغ پر مسلّط تھے۔

گھر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی اس نے اخبار اتار پھینکا اور نظریں کتبہ کی دل کش تحریر پر گاڑے دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ بالائی منزل میں اپنے مکان کے دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ جیب سے چابی نکالی، قفل کھولنے لگا۔ پچھلے دو برس میں آج پہلی مرتبہ اس پر یہ انکشاف ہوا کہ اس کے مکان کے باہر ایسی کوئی جگہ ہی نہیں کہ اس پر کوئی بورڈ لگایا جا سکے۔ اگر جگہ ہوتی بھی تو اس قسم کے کتبے وہاں تھوڑا ہی لگائے جاتے ہیں۔ ان کے لیے تو بڑا سا مکان چاہیے جس کے پھاٹک کے باہر لگایا جائے تو آتے جاتے کی نظر بھی پڑے۔

قفل کھول کر مکان کے اندر پہنچا اور سوچنے لگا کہ فی الحال اس کتبہ کو کہاں رکھوں۔ اس کے ایک حصہ مکان میں دو کوٹھریاں، ایک غسل خانہ اور ایک باورچی خانہ تھا۔ کوٹھری میں صرف ایک ہی الماری تھی مگر اس کے کواڑ نہیں تھے۔ بالآخر اس نے کتبہ کو اس بے کواڑ کی الماری میں رکھ دیا۔

ہر روز شام کو جب وہ دفتر سے تھکا ہارا واپس آتا تو سب سے پہلے اس کی نظر اس کتبہ ہی پر پڑتی۔ امیدیں اسے سبز باغ دکھاتیں اور دفتر کی مشقت کی تکان کسی قدر کم ہو جاتی۔ دفتر میں جب کبھی اس کا کوئی ساتھی کسی معاملے میں اس کی رہ نمائی کا جویا ہوتا تو اپنی برتری کے احساس سے اس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ جب کبھی کسی ساتھی کی ترقی کی خبر سنتا، آرزوئیں اس کے سینے میں ہیجان پیدا کر دیتیں۔ افسر کی ایک ایک نگاہِ لطف و کرم کا نشہ اسے آٹھ آٹھ دن رہتا۔

جب تک اس کی بیوی بچے نہیں آئے وہ اپنے خیالوں ہی میں مگن رہا۔ نہ دوستوں سے ملتا، نہ کھیل تماشوں میں حصّہ لیتا، رات کو جلد ہی ہوٹل سے کھانا کھا کر گھر آ جاتا اور سونے سے پہلے گھنٹوں عجیب عجیب خیالی دنیاؤں میں رہتا، مگر اُن کے آنے کی دیر تھی کہ نہ تو وہ فراغت ہی رہی اور نہ وہ سکون ہی ملا۔ ایک بار پھر گرہستی کی فکروں نے اسے ایسا گھیر لیا کہ مستقبل کی یہ سہانی تصویریں رفتہ رفتہ دھندلی پڑ گئیں۔

کتبہ سال بھر تک اسی بے کواڑ کی الماری میں پڑا رہا۔ اس عرصے میں اس نے نہایت محنت سے کام کیا۔ اپنے افسروں کو خوش رکھنے کی انتہائی کوشش کی مگر اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اب اس کے بیٹے کی عمر چار برس کی ہو گئی تھی اور اس کا ہاتھ اس بے کواڑ کی الماری تک بخوبی پہنچ جاتا تھا۔ شریف حسین نے اس خیال سے کہ کہیں اس کا بیٹا کتبے کو گرا نہ دے، اُسے وہاں سے اٹھا لیا اور اپنے صندوق میں کپڑوں کے نیچے رکھ دیا۔

ساری سردیاں یہ کتبہ اس صندوق ہی میں پڑا رہا۔ جب گرمی کا موسم آیا تو اس کی بیوی کو اس کے صندوق سے فالتو چیزوں کو نکالنا پڑا۔ چناں چہ دوسری چیزوں کے ساتھ بیوی نے کتبہ بھی نکال کر کاٹھ کے اس پرانے بکس میں ڈال دیا جس میں ٹوٹے ہوئے چوکھٹے، بے بال کے برش، بے کار صابن دانیاں، ٹوٹے ہوئے کھلونے اور ایسی ہی اور دوسری چیزیں پڑی رہتی تھی۔

شریف حسین نے اپنے مستقبل کے متعلق زیادہ سوچنا شروع کر دیا تھا۔ دفتروں کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ ترقی لطیفۂ غیبی سے نصیب ہوتی ہے، کڑی محنت جھیلنے اور جان کھپانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کی تنخواہ میں ہر دوسرے برس تین روپے کا اضافہ ہو جاتا جس سے بچوں کی تعلیم وغیرہ کا خرچ نکل آتا اور اسے زیادہ تنگی نہ اٹھانی پڑتی، پے در پے مایوسیوں کے بعد جب اس کو ملازمت کرتے بارہ برس ہو چکے تھے اور اس کے دل سے رفتہ رفتہ ترقی کے تمام ولولے نکل چکے تھے اور کتبہ کی یاد تک ذہن سے محو ہو چکی تھی تو اس کے افسروں نے اس کی دیانت داری اور پرانی کارگزاری کا خیال کر کے اسے تین مہینے کے لیے عارضی طور پر درجہ اوّل کے ایک کلرک کی جگہ دے دی جو چھٹی پر جانا چاہتا تھا۔

جس روز اسے یہ عہدہ ملا، اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے تانگے کا بھی انتظار نہ کیا بلکہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا پیدل ہی بیوی کو یہ مژدہ سنانے چل دیا۔ شاید تانگا اسے کچھ زیادہ جلدی گھر نہ پہنچا سکتا!

اگلے مہینے اس نے نیلام گھر سے ایک سستی سی لکھنے کی میز اور ایک گھومنے والی کرسی خریدی، میز کے آتے ہی اسے پھر کتبہ کی یاد آئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی سوئی ہوئی امنگیں جاگ اٹھیں۔ اس نے ڈھونڈ ڈھانڈ کے کاٹھ کی پیٹی میں سے کتبہ نکالا، صابن سے دھویا پونچھا اور دیوار کے سہارے میز پر ٹکا دیا۔

یہ زمانہ اس کے لیے بہت کٹھن تھا کیوں کہ وہ اپنے افسروں کو اپنی برتر کارگزاری دکھانے کے لیے چھٹی پر گئے ہوئے کلرک سے دُگنا کام کرتا۔ اپنے ماتحتوں کو خوش رکھنے کے لیے بہت سا اُن کا کام بھی کر دیتا۔ گھر پر آدھی رات تک فائلوں میں غرق رہتا۔ پھر

بھی وہ خوش تھا۔ ہاں جب کبھی اُسے اُس کلرک کی واپسی کا خیال آتا تو اس کا دل بجھ سا جاتا۔ کبھی کبھی وہ سوچتا، ممکن ہے وہ اپنی چھٹی کی میعاد بڑھوالے۔۔۔ ممکن ہے وہ بیمار پڑ جائے۔۔۔ ممکن ہے وہ کبھی نہ آئے۔۔۔

مگر جب تین مہینے گزرے تو نہ اس کلرک نے چھٹی کی میعاد ہی بڑھوائی اور نہ بیمار ہی پڑا، البتہ شریف حسین کو اپنی جگہ پر آجانا پڑا۔ اس کے بعد جو دن گزرے، وہ اس کے لیے بڑی مایوسی اور افسردگی کے تھے۔ تھوڑی سی خوش حالی کی جھلک دیکھ لینے کے بعد اب اسے اپنی حالت پہلے سے بھی زیادہ ابتر معلوم ہونے لگی تھی۔ اس کا جی کام میں مطلق نہ لگتا تھا۔ مزاج میں آلکس اور حرکات میں سستی سی پیدا ہونے لگی، ہر وقت بیزار بیزار سا رہتا۔ نہ کبھی ہنستا، نہ کسی سے بولتا چالتا مگر یہ کیفیت چند دن سے زیادہ نہ رہی۔ افسروں کے تیور جلد ہی اسے راہِ راست پر لے آئے۔

اب اس کا بڑا لڑکا چھٹی میں پڑھتا تھا اور چھوٹا چوتھی میں اور منجھلی لڑکی ماں سے قرآن مجید پڑھتی، سینا پرونا سیکھتی اور گھر کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹاتی۔ باپ کی میز کرسی پر بڑے لڑکے نے قبضہ جمالیا۔ وہاں بیٹھ کر وہ اسکول کا کام کیا کرتا۔ چوں کہ میز کے ہلنے سے کتبہ گر جانے کا خدشہ رہتا تھا اور پھر اس نے میز کی بہت سی جگہ بھی گھیر رکھی تھی، اس لیے اس لڑکے نے اسے اٹھا کر پھر اسی بے کواڑ کی الماری میں رکھ دیا۔

سال پر سال گزرتے گئے۔ اس عرصہ میں کتبہ نے کئی جگہیں بدلیں، کبھی بے کواڑ کی الماری میں تو کبھی میز پر۔ کبھی صندوقوں کے اوپر تو کبھی چارپائی کے نیچے۔ کبھی بوری میں تو کبھی کاٹھ کے بکس میں۔ ایک دفعہ کسی نے اٹھا کر باورچی خانے کے اس بڑے طاق میں رکھ دیا جس میں روزمرہ کے استعمال کے برتن رکھے رہتے تھے۔

شریف حسین کی نظر پڑ گئی، دیکھا تو دھوئیں سے اس کا سفید رنگ پیلا پڑ چلا تھا، اٹھا کر دھویا پونچھا اور پھر بے کواڑ کی الماری میں رکھ دیا مگر چند ہی روز میں اسے پھر غائب کر دیا گیا اور اس کی جگہ وہاں کاغذی پھولوں کے بڑے بڑے گملے رکھ دیے گئے جو شریف حسین کے بڑے بیٹے کے کسی دوست نے اسے تحفے میں دیے تھے۔ رنگ پیلا پڑ جانے سے کتبہ الماری میں رکھا ہوا بدنما معلوم ہوتا تھا مگر اب کاغذی پھولوں کے سرخ سرخ رنگوں سے الماری میں جیسے جان پڑ گئی تھی اور ساری کوٹھری دہک اٹھی تھی۔

اب شریف حسین کو ملازم ہوئے پورے بیس سال گزر چکے تھے۔ اس کے سر کے بال نصف سے زیادہ سفید ہو چکے تھے اور پیٹھ میں گُدّی سے ذرا نیچے خم آگیا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی اس کے دماغ میں خوش حالی و فارغ البالی کے خیالات چکر لگاتے مگر اب ان کی کیفیت پہلے کی سی نہ تھی کہ خواہ وہ کوئی کام کر رہا ہو۔ تصورات کو اڑا لے جاتی اور پھر بیٹی کی شادی، لڑکوں کی تعلیم، اس کے بڑھتے ہوئے اخراجات، پھر ساتھ ہی ساتھ ان کے لیے نوکریوں کی تلاش۔۔۔ یہ ایسی فکریں نہ تھیں کہ پل بھر کو بھی اس خیال کو کسی اور طرف بھٹکنے دیتیں۔

پچپن برس کی عمر میں اسے پنشن مل گئی۔ اب اس کا بیٹا ریل کے مال گودام میں کام کرتا تھا۔ چھوٹا کسی دفتر میں ٹائپسٹ تھا اور اس سے چھوٹا انٹرنس میں پڑھتا تھا۔ اپنی پنشن اور لڑکوں کی تنخواہیں سب مل ملا کے کوئی ڈیڑھ سو روپے ماہوار کے لگ بھگ آمدنی ہو

جاتی تھی جس میں بخوبی گزر ہونے لگی۔ علاوہ ازیں اس کا ارادہ کوئی چھوٹا موٹا بیوپار شروع کرنے کا بھی تھا مگر مندے کے ڈر سے ابھی پورا نہ ہو سکا تھا۔

اپنی کفایت شعاری اور بیوی کی سلیقہ مندی کی بدولت اس نے بڑے بیٹے اور بیٹی کی شادیاں خاصی دھوم دھام سے کر دی تھیں۔ ان ضروری کاموں سے نمٹ کر اس کے جی میں آئی کہ حج کر آئے مگر اس کی توفیق نہ ہو سکی۔ البتہ کچھ دنوں مسجدوں کی رونق خوب بڑھائی مگر پھر جلد ہی بڑھاپے کی کمزوریوں اور بیماریوں نے دبانا شروع کر دیا اور زیادہ تر چارپائی ہی پر پڑا رہنے لگا۔

جب اسے پنشن وصول کرتے تین سال گزر گئے تو جاڑے کی ایک رات کو وہ کسی کام سے بستر سے اٹھا۔ گرم گرم لحاف سے نکلا تھا۔ پچھلے پہر کی سرد اور تند ہوا تیر کی طرح اس کے سینے میں لگی اور اسے نمونیا ہو گیا۔ بیٹوں نے اس کے بہتیرے علاج معالجے کرائے۔ اس کی بیوی اور بہو دن رات اس کی پٹی سے لگی بیٹھی رہیں مگر افاقہ نہ ہوا۔ وہ کوئی چار دن بستر پر پڑے رہنے کے بعد مر گیا۔

اس کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا مکان کی صفائی کرا رہا تھا کہ پرانے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے ایک بوری میں اُسے یہ کتبہ مل گیا۔ بیٹے کو باپ سے بے حد محبت تھی، کتبہ پر باپ کا نام دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آئے اور وہ دیر تک ایک محویت کے عالم میں اس کی خطاطی اور نقش و نگار کو دیکھتا رہا۔ اچانک اسے ایک بات سوجھی جس نے اس کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی۔

اگلے روز وہ کتبہ کو ایک سنگ تراش کے پاس لے گیا اور اس سے کتبہ کی عبارت میں تھوڑی سی ترمیم کرائی اور پھر اسی شام اسے اپنے باپ کی قبر پر نصب کر دیا۔

(آنندی)

● ●

مشق

(ا) درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) شریف حسین کو تانگے میں سوار ہونے کا لطف ملتا تھا:

(الف) مہینے کے آخری روز (ب) مہینے کے ابتدائی روز (ج) مہینے کے وسط میں (د) مہینا بھر

(ii) شریف حسین کی جیب میں کچھ رقم اس لیے تھی کہ:

(الف) اس نے بچت کی تھی (ب) اسے تنخواہ دیر سے ملی تھی

(ج) کہیں سے قرض مل گیا تھا (د) اس کی بیوی اور بچے میکے گئے ہوئے تھے

(iii) کلرکوں میں لوگ شامل تھے:

(الف) نئے بھرتی ہونے والے (ب) ادھیڑ عمر (ج) عمر رسیدہ (د) ہر عمر کے

(iv) شریف حسین کے خیال میں سنگِ مرمر کے ٹکڑے کا مصرف تھا کہ:

(الف) کسی کو تحفہ دیا جائے (ب) صدر دروازے پر لگایا جائے

(ج) مطالعے کی میز پر رکھا جائے (د) مُنڈیر پر سجا دیا جائے

(v) شریف حسین کی موت کے بعد سنگِ مرمر کا ٹکڑا:

(الف) یوں ہی گھر میں پڑا رہا (ب) کہیں گم ہو گیا (ج) بیچ دیا گیا (د) اس کی قبر کا کتبہ بنا

(۲) سبق "کتبہ" کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) شریف حسین اپنے دفتر میں کس حیثیت سے ملازم تھا؟

(ب) کلرکوں کی ٹولیوں میں کس طرح کے لوگ شامل تھے؟

(ج) شریف حسین نے سنگِ مرمر کے نفیس ٹکڑے کا کیا استعمال سوچا تھا؟

(د) شریف حسین کی موت کن حالات میں واقع ہوئی؟

(ہ) شریف حسین کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا سنگِ مرمر کے ٹکڑے کو کس مصرف میں لایا؟

(۳) دیے ہوئے الفاظ و تراکیب کے معانی لکھیں اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

آلکس	ترمیم	خس و خاشاک	کنگلا	کواڑ	نقش و نگار

اصنافِ نثر:

اصنافِ نثر کی معروف اقسام میں داستان، ناول، افسانہ، ڈراما، سیرت نگاری، سوانح عمری، خود نوشت، خاکہ، سفرنامہ، مکتوب نگاری اور مضمون نویسی وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں ہم طلبہ کو صرف داستان، ناول، افسانہ اور ڈراما کے بارے میں مختصراً بتاتے ہیں۔

داستان:

کہنے کی چیز کو کہانی کہتے ہیں۔ کہانی کا مترادف لفظ قصّہ یا حکایت ہے اور داستان قصّے کہانی کی قدیم ترین قسم ہے۔ کسی زمانے میں قصہ خوانی یا داستان گوئی باضابطہ ایک فن ہوا کرتا تھا جو عربی اور فارسی سے اردو میں منتقل ہوا۔ بڑے بڑے شہروں میں داستان سننے سنانے کے لیے باقاعدہ جگہیں اور وقت مقرر ہوا کرتے تھے، جہاں لوگ کشاں کشاں آتے اور بڑے انہماک سے داستان سنتے تھے۔ کچھ قدیم شہروں خصوصاً حیدر آباد (دکن)، دہلی، لکھنؤ اور لاہور وغیرہ میں ایسی جگہوں کی نشان دہی آج بھی بآسانی کی جاسکتی ہے اور پشاور کا قصہ خوانی بازار اسی زمانے کی یادگار ہے۔ اُردو میں داستان نویسی اور داستان گوئی کا سکّہ تقریباً ایک صدی تک قائم رہا مگر انگریزی زبان و ادب کے فروغ نے ہمیں داستان سے بیگانہ کر دیا اور ایک نئی صنفِ نثر کو متعارف کروایا، جسے ناول کہتے ہیں۔

ناول (Novel) انگریزی کالفظ ہے۔ ناول کے معنی "نیا"، "انوکھا" یا "اچھوتا" کے ہیں۔ مگر ادب کی اصطلاح میں ناول سے مراد، وہ قصہ لیا جاتا ہے جس میں واقعات خلافِ قیاس نہ ہوں۔ داستان کے برعکس ناول کی بنیاد حقیقت اور فطرت پر اُٹھائی جاتی ہے اور فرضی، خیالی اور مافوق الفطرت باتوں سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

ناول کا موضوع انسان ہے اور آج کا انسان جن حالات وواقعات سے دوچار ہے، ناول اِن سب کا احاطہ کرتا ہے۔ ناول آج بھی پڑھی جانے والی صنف ہے۔

تقریباً سبھی نقادانِ ادب ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۲ء) کو اُردو کا پہلا ناول نگار تسلیم کرتے ہیں۔

افسانہ:

افسانہ جس کو انگریزی میں زبان (Short Story) کہا جاتا ہے، ایک ایسی مختصر تحریر کا نام ہے جس میں کسی واقعے، کردار یا لمحے کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ اُردو زبان میں افسانہ انگریزی ادب کے اثر سے آیا۔ مغربی زبانوں میں افسانے سے پہلے طویل قصے کہانیاں اور ناول لکھنے کا رواج تھا مگر جوں جوں انسان عدیم الفرصت ہوتا گیا تو کسی ایسی صنفِ ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جو کم سے کم وقت میں پڑھنے والے کو مسرت و تسکین کے لمحات میسر کر سکے۔ چناں چہ افسانہ لکھا جانے لگا۔ شاملِ نصاب کتاب میں غلام عباس کی تحریر "کتبہ" بھی ایک افسانہ ہے۔

ڈراما:

ڈراما (Drama) انگریزی زبان کالفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں: عمل کر کے دکھانا۔ ڈراما ادب کی وہ نثری صنف ہے جس میں ایک مکمل کہانی ہوتی ہے اور جسے کرداروں کی حرکات وسکنات اور مکالموں کے ذریعے سٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔ عام طور پر ڈرامے دو طرح کے ہوتے ہیں: المیہ اور طربیہ۔ المیہ ڈراموں میں المناک صورتِ حال جب کہ طربیہ ڈراموں میں خوش گوار ماحول دکھایا جاتا ہے۔ اُردو ڈرامے کی تاریخ میں آغا حشر کاشمیری (۱۸۷۹ء-۱۹۳۵ء) کا نام سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کل ٹیلی ڈراموں کو بڑے شوق سے دیکھا جاتا ہے۔

(۴) سبق "کتبہ" کے متن کو مدِّنظر رکھ کر دُرست بیان کے آگے (✓) اور غلط کے آگے (X) کا نشان لگائیں۔

(الف) عمارتوں میں کئی چھوٹے بڑے دفتر ہیں جن میں کم وبیش پانچ ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔

(ب) شریف حسین کلرک درجہ اوّل کچھ سویرے دفتر سے نکلا۔

(ج) شریف حسین نے چوّنی نکال کر کوچوان کو دی۔

(د) ان کلرکوں میں ہر عمر کے لوگ شامل تھے۔

Scanned with CamScanner CamScanner

(ہ) سنگِ مرمر کے ٹکڑے کو وہ ایک مشہور آہن گر کے پاس لے گیا۔

(و) وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ترقی لطیفہ غیبی سے ہوتی ہے۔

(۵) سبق "کتبہ" کے متن کے حوالے سے درج ذیل جملوں کی وضاحت کریں۔

(الف) "وہ لہجہ بگاڑ بگاڑ کر غیر زبان میں باتیں کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔"

(ب) "دنیا بھر کی چیزیں اور ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ یہاں ملتے تھے۔"

(ج) "اس نے محض اپنے شوقِ تحقیق کو پورا کرنے کے لیے قیمت پوچھی۔"

(د) "وہ بڑا غفور الرّحیم ہے، کیا عجب اس کے دن پھر جائیں۔"

(۶) درج ذیل لفظوں پر اِعراب لگائیں تا کہ ان کا دُرست تلفّظ واضح ہو سکے۔

طمانیت	گتھیاں	حجاب	مسلط	مشقت	مژدہ

(۷) درج ذیل نثر پارے کی تشریح کیجیے۔ تشریح سے پہلے مصنف کا نام اور سبق کا عنوان بھی دیجیے۔

"گو اُن میں زیادہ تر کلر کوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مشق بہم پہنچا رہے تھے۔"

(۸) درج ذیل پیراگراف توجہ سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب تحریر کریں۔

اہم علاقائی اور قومی تہوار کسی بھی ملک اور علاقے کی ثقافت اور روایات کا اہم حصّہ ہوتے ہیں۔ یہ تہوار لوگوں کو آپس میں جوڑنے اور محبت، بھائی چارے، اور یک جہتی کے جذبات کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ پاکستان میں عید الفطر، عید الاضحیٰ، یومِ آزادی، یومِ دفاع اور یومِ تکبیر جیسے تہوار قومی سطح پر بھرپور جوش و خروش سے منائے جاتے ہیں، علاوہ ازیں علاقائی تہوار مختلف صوبوں میں اپنی روایتی رنگینیوں کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں۔ ان تہواروں کے دوران میں نہ صرف مذہبی اور ثقافتی اقدار کو اجاگر کیا جاتا ہے بلکہ یہ سماجی میل جول اور محبت کے پیغام کو بھی فروغ دیتے ہیں، جس سے معاشرے میں مثبت تبدیلیاں آتی ہیں۔

سوالات: (الف) کسی بھی ملک یا علاقے کی ثقافت اور روایات کا حصّہ کسے قرار دیا گیا ہے؟

(ب) مذہبی تہوار کون کون سے ہیں؟

(د) قومی اور علاقائی تہواروں کے دو فائدے لکھیں۔

(ج) پاکستان کے قومی تہواروں کے نام لکھیں۔

(ہ) مندرجہ بالا عبارت کا موزوں عنوان تجویز کریں۔

Scanned with CamScanner

سرگرمی:

- طلبہ اس افسانے (کتبہ) کو اپنے لفظوں میں ایک کہانی کی صورت میں لکھیں اور دوستوں کو سنائیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ "کتبہ" پڑھانے سے پہلے طلبہ کو بتایا جائے کہ "افسانہ" کیا ہوتا ہے اور انھیں غلام عباس کے دیگر معروف افسانوں کے بارے میں بھی بتایا جائے۔

۲۔ طلبہ کو غلام عباس کے سوانحی حالات بیان کرتے ہوئے بتایا جائے کہ اُن کا اسلوبِ بیان زندگی کے حقائق کو بیان کرنے میں بڑا دل کش ہے اور وہ حالات و واقعات کی لفظی مرقع کاری کرتے ہیں۔

۳۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ یہ انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ اپنے مستقبل کو تاب ناک کرنے کے لیے بڑے خواب دیکھتا ہے اور اس کی ساری عمر اپنے خوابوں کی تعبیر کی تلاش میں گزر جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

ابنِ انشا

(۱۹۲۷ء-۱۹۷۸ء)

اصل نام شیر محمد خاں ہے لیکن قلمی نام ابنِ انشا کا اتنا چرچا ہوا کہ لوگ اُن کا اصل نام بھول گئے۔ ضلع جالندھر (مشرقی پنجاب، انڈیا) کی تحصیل پھلور کے ایک چھوٹے سے گاؤں "تھلّہ" میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والد کھیتی باڑی کرتے تھے۔ لدھیانہ سے میٹرک پاس کیا۔ مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے مگر تنگ دستی کی وجہ سے حاصل نہ کرسکے اور ملازمت کرلی لیکن ساتھ ساتھ پرائیویٹ طور پر تعلیم بھی جاری رکھی اور ۱۹۴۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ابنِ انشا ہجرت کرکے لاہور آگئے اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہوگئے۔ وہاں سے اپنی محنت اور خداداد صلاحیتوں کی بنا پر ترقی کرتے ہوئے سرکاری ادارے "پاکستان نیشنل سنٹر" کے سربراہ اور یونیسکو (UNESCO) کے پاکستان آفس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ یونیسکو سے وابستگی کی وجہ سے ان کو مشرق و مغرب کے مختلف ممالک کے سفر کرنے کے کچھ مواقع میسر آئے جس کے نتیجے میں اُردو میں شگفتہ سفر ناموں کا خوش گوار اضافہ ہوا۔ ان کے سفر ناموں میں "آوارہ گرد کی ڈائری"، "دنیا گول ہے"، "ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں"، "چلتے ہو تو چین کو چلیے" اور "نگری نگری پھرا مسافر" شامل ہیں۔

"اُردو کی آخری کتاب میں" جو "اردو کی پہلی کتاب" کی پیروڈیوں کا مجموعہ ہے، ہمیں طنز و مزاح کے اعلیٰ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ابنِ اِنشا نے کتاب کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ذہنی بالغوں کے لیے ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی نثر معمولی سمجھ رکھنے والوں کی سمجھ سے ماورا ہے اور ان کی نثر کو سمجھنے کے لیے مطالعۂ تاریخ اور جغرافیائی سرحدوں اور ان کے کلچر پر نظر ہونی چاہیے۔ شاملِ کتاب سبق "ابتدائی حساب" ان کی اسی کتاب سے مستعار ہے۔

سبق نمبر ۱۰

اِبتدائی حساب

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ بعض نثر نگاروں کی حسِ مزاح بڑی تیز ہوتی ہے اور ان کی عام گفت گو میں بھی کتنے ہی لطیف پہلو موجود ہوتے ہیں۔

۲۔ اردو نثری ادب میں طنز و مزاح کی اہمیت واضح کرنا۔

۳۔ طلبہ کو ابن انشا کے اسلوبِ بیان سے آگاہ کرنا اور ان کی کتابوں خصوصاً شگفتہ سفر ناموں کے بارے میں آگاہ کرنا۔

۴۔ طلبہ کو "اردو کی پہلی کتاب" از مولانا محمد اسماعیل میرٹھی کے بارے میں بتانا اور انھیں آگاہ کرنا کہ تحریف نگاری (پیروڈی) کیا ہے۔

۵۔ طلبہ کو علمِ بیان: تشبیہ، استعارہ، اور رموزِ اوقاف: سکتہ، وقفہ، رابطہ، تفصیلیہ، ختمہ کے استعمال سے آگاہ کرنا۔

حساب کے چار بڑے قاعدے ہیں: • جمع • تفریق • ضرب • تقسیم

جمع: جمع کے قاعدے پر عمل کرنا آسان نہیں، خصوصاً مہنگائی کے دنوں میں۔ سب کچھ خرچ ہو جاتا ہے، کچھ جمع نہیں ہو پاتا۔ جمع کا قاعدہ مختلف لوگوں کے لیے مختلف ہے۔ عام لوگ کے لیے ۱+۱ = ۱$\frac{۱}{۲}$ کیوں کہ $\frac{۱}{۲}$ انکم ٹیکس والے لے جاتے ہیں۔

تجارت کے قاعدے سے جمع کریں تو ۱+۱ کا مطلب ہے گیارہ۔ رشوت کے قاعدے سے حاصل جمع اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ قاعدہ وہی اچھا جس میں حاصلِ جمع زیادہ سے زیادہ آئے بشرطے کہ پولیس مانع نہ ہو۔ ایک قاعدہ زبانی جمع خرچ کا ہوتا ہے۔ یہ ملک کے مسائل حل کرنے کے کام آتا ہے۔ آزمودہ ہے۔

تفریق: مَیں سندھی ہوں، تُو سندھی نہیں ہے۔ مَیں بنگالی ہوں، تُو بنگالی نہیں ہے۔ مَیں مسلمان ہوں تُو مسلمان نہیں ہے۔ اس کو تفریق پیدا کرنا کہتے ہیں۔ حساب کا یہ قاعدہ بھی قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے۔ تفریق کا ایک مطلب ہے، منہا کرنا، یعنی نکالنا ایک عدد میں سے دوسرے عدد کو۔ بعض عدد از خود نکل جاتے ہیں۔ بعضوں کو زبردستی نکالنا پڑتا ہے۔ ڈنڈے مار کر نکالنا پڑتا ہے۔ فتوے دے کر نکالنا پڑتا ہے۔

ایک بات اور یاد رکھیے۔ جو لوگ زیادہ جمع کر لیتے ہیں، وہی زیادہ تفریق بھی کرتے ہیں۔ انسانوں اور انسانوں میں، مسلمانوں اور مسلمانوں میں۔ عام لوگ تفریق کے قاعدے کو پسند نہیں کرتے، کیوں کہ حاصلِ تفریق کچھ نہیں آتا، آدمی ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔

ضرب: تیسرا قاعدہ ضرب کا ہے۔ ضرب کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً ضربِ خفیف، ضربِ شدید، ضربِ کاری وغیرہ۔ ضرب کی ایک اور تقسیم بھی ہے۔ پتھر کی ضرب، لاٹھی کی ضرب، بندوق کی ضرب۔ علامہ اقبالؒ کی "ضربِ کلیم" ان کے علاوہ ہے۔ حاصل ضرب کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ ضرب کس چیز سے دی گئی ہے یا لگائی گئی ہے۔ آدمی کو آدمی سے ضرب دیں تو حاصل ضرب بھی

آدمی ہی ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ زندہ ہو۔ ضرب کے قاعدے سے کوئی سوال حل کرنے سے پہلے "تعزیرات پاکستان" پڑھ لینی چاہیے۔

تقسیم: یہ حساب کا بڑا ضروری قاعدہ ہے۔ سب سے زیادہ جھگڑے اسی پر ہوتے ہیں۔ تقسیم کا مطلب ہے بانٹنا۔ اندھوں کا آپس میں ریوڑیاں بانٹنا۔ بندر کا بلیوں میں روٹی بانٹنا۔ چوروں کا آپس میں مال بانٹنا۔ اہل کاروں کا آپس میں رشوت بانٹنا۔ مل بانٹ کر کھانا اچھا ہوتا ہے۔ دال تک جوتوں میں بانٹ کر کھانی چاہیے، تقسیم کا طریقہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ حقوق اپنے پاس رکھیے، فرائض دوسروں میں بانٹ دیجیے۔ روپیا پیسا اپنے کیسے میں ڈالیے، قناعت کی تلقین دوسروں کو کیجیے۔

ابتدائی الجبرا:

یہ بھی ایک قسم کا حساب ہے چوں کہ طالبِ علم اس سے گھبراتے ہیں اور یہ جبراً پڑھایا جاتا ہے، اس لیے الجبرا کہلاتا ہے۔

حساب اعداد کا کھیل ہے۔ الجبرا حرفوں کا کھیل ہے۔ ان میں سب سے مشہور حرف "لا" ہے۔ اس کے معنی کچھ نہیں بلکہ یہ ایسا ہے کسی اور لفظ کے ساتھ لگ جائے تو اس کے معنی بھی سلب کر لیتا ہے۔ جس طرح لامکاں، لادوا، لاولد وغیرہ۔ بعض مستثنیات بھی ہیں۔ مثلاً لاہور، لاڑکانہ، لالٹین، لالوکھیت وغیرہ۔ اگر ان لفظوں کے ساتھ لا نہ ہو تو ہور، ڑکانہ، لٹین اور لوکھیت کے کچھ معنی نہ نکلیں۔ آزمائے کو آزمانا جہل کہتے ہیں لیکن الجبرا میں آزمائے کو ہی آزماتے ہیں۔ اچھے خاصے پڑھے لکھوں کو نئے سرے سے "اب ج" سکھاتے ہیں بلکہ ان کے مربعے بھی نکلواتے ہیں۔ الجبرا کا ہماری طالب علمی کے زمانے میں کوئی خاص مصرف نہ تھا۔ اس سے صرف اسکولوں کے طلبہ کو فیل کرنے کا کام لیا جاتا تھا لیکن آج کل یہ عملی زندگی میں خاصا استعمال ہوتا ہے۔ دکان دار اور گداگر اس قاعدے کو زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ پیسا لا، اور لا اور لا۔ بعض رشتوں میں الجبرا یعنی جبر کا شائبہ ہوتا ہے، جیسے: مدر اِن لا، فادر اِن لا وغیرہ۔

ابتدائی جیومیٹری:

جیومیٹری لکیروں کا کھیل ہے۔ علمائے جیومیٹری کو ہم لکیر کے فقیر کہہ سکتے ہیں۔ دنیا نے اتنی ترقی کر لی، ہر چیز بشمول سائنس اور مہنگائی کہاں سے کہاں پہنچ گئی، لیکن جیومیٹری والوں کے ہاں اب تک زاویہ قائمہ ۹۰ درجہ کا ہوتا ہے اور مثلث کے اندرونی زاویوں کا مجموعہ ۱۸۰ درجے سے تجاوز نہیں کر پایا۔ امریکا اور روس ہر معاملہ میں لڑتے ہیں، اس معاملے میں ملی بھگت ہے۔ ہم اپنے ملک میں اپنی پسند کا نظام لائیں گے تو اپنی اسمبلی میں ایک قانون بنوائیں گے، چند درجے ضرور بڑھائیں گے۔ مستطیل بھی پرانے زمانے میں جیسی چورس ہوتی تھی، ویسی آج کل ہے۔ گول کرنا تو بڑی بات ہے کسی کو یہ توفیق تک نہ ہوئی کہ اس کے چار سے پانچ یا چھے ضلعے کر دیں۔ ایک آدھ فالتو رہے تو اچھا ہی ہے۔ مغربی پاکستان کے ضلعوں میں ہم ردوبدل کرتے ہیں تو مستطیل وغیرہ کے ضلعوں میں کیوں نہیں کر سکے۔

جیومیٹری میں بنیادی چیزیں ہیں: خط، نقطہ، دائرہ، مثلث وغیرہ۔ اب ہم تھوڑا تھوڑا حال ان کا لکھتے ہیں:

خط: خط کی کئی قسمیں ہیں:

خطِ مستقیم: بالکل سیدھا ہوتا ہے، اس لیے اکثر نقصان اٹھاتا ہے۔ سیدھے آدمی بھی نقصان اٹھاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

یہ ٹیڑھا ہوتا ہے بالکل کھیر کی طرح، لیکن اس میں میٹھا نہیں ڈالا جاتا۔

خطِ [illegible]: اسے فرشتے کی سیاہی سے کھینچتے ہیں۔ یہ مستقیم بھی ہوتا ہے منحنی بھی۔ اس کا مٹانا مشکل ہوتا ہے۔

خطِ بیرنگ(۱): اس پر لگانے والے ٹکٹ نہیں لگاتے۔ ہمیں دگنے پیسے دینے پڑتے ہیں۔

خطِ شکستہ: یہ وہ خط ہے جس میں ڈاکٹر لوگ نسخے لکھتے ہیں۔ تبھی تو آج کل اتنے لوگ بیماریوں سے نہیں مرتے جتنے غلط دواؤں کے استعمال سے مرتے ہیں۔

خطِ استوا: یہ اس لیے ہوتا ہے کہ کہیں تو دُنیا میں دن رات برابر ہوں، کہیں تو مساوات نظر آئے۔

متوازی خطوط: یہ ویسے تو آمنے سامنے ہوتے ہیں، لیکن تعلقات نہایت کشیدہ۔ ان کو کتنا بھی لمبا کھینچ کے لے جایئے یہ کبھی آپس میں نہیں ملتے۔ کتابوں میں یہی لکھا ہے لیکن ہمارے خیال میں ان کو ملانے کی کوئی سنجیدہ کوشش کبھی بھی نہیں کی گئی۔ آج کل بڑے بڑے ناممکنات کو ممکن بنا دیا گیا ہے تو یہ کس شمار قطار میں ہیں۔

نقطہ (.): نقطہ یعنی بندی یعنی پوائنٹ۔ یہ محض کسی جگہ کی نشاندہی کے لیے ہوتا ہے۔ جیومیٹری کی کتابوں میں آیا ہے کہ نقطہ جگہ نہیں گھیرتا۔ ایک آدھ نقطے کی حد تک یہ بات صحیح ہوگی لیکن چھے نقطوں سے تو آپ سارا پاکستان گھیر سکتے ہیں۔

دائرہ: دائرے چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ قریب قریب سبھی گول ہوتے ہیں۔ ایک اور عجیب بات ہے کہ ان میں قُطر کی لمبائی ہمیشہ نصف قُطر سے دُگنی ہوتی ہے۔ جیومیٹری میں اس کی کوئی وجہ نہیں لکھی گئی۔ جو کسی نے پرانے زمانے میں فیصلہ کر دیا، اب تک چلا آرہا ہے۔ ایک دائرہ اسلام کا دائرہ کہلاتا ہے۔ پہلے اس میں لوگوں کو داخل کیا کرتے تھے، آج کل داخلہ منع ہے، صرف خارج کرتے ہیں۔

مثلث: تکون کے تین کونے ہوتے ہیں۔ چار کونوں والی بھی ہوتی ہوں گی، لیکن ہمارے ملک میں نہیں پائی جاتیں۔ کم از کم ہماری نظر سے نہیں گزریں۔

(اُردو کی آخری کتاب)

• •

---

(۱) **Bearing** بہ معنی برداشت کرنا۔ یہاں مفہوم ڈاک خرچ برداشت کرنا ہے۔

مشق

(۱) درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) زبانی جمع خرچ کا قاعدہ جو آزمودہ ہے، کام آتا ہے:

(الف) بچوں کو بہلانے کے لیے (ب) دوستوں کو ٹرخانے کے لیے

(ج) گھر کے مسائل حل کرنے کے لیے (د) ملکی مسائل حل کرنے کے لیے

(ii) ''مَیں مسلمان ہوں، تو مسلمان نہیں ہے'' اس کو کہتے ہیں:

(الف) جمع کرنا (ب) تفریق پیدا کرنا (ج) لڑائی کرنا (د) ضرب دینا

(iii) آدمی کو آدمی سے ضرب دیں تو حاصلِ ضرب ہوتا ہے:

(الف) آدمی (ب) ایک بکری (ج) ایک بھیڑ (د) ایک گائے

(iv) سب سے زیادہ جھگڑے ہوتے ہیں:

(الف) جمع کے قاعدے پر (ب) تفریق کے قاعدے پر

(ج) ضرب کے قاعدے پر (د) تقسیم کے قاعدے پر

(v) خطِ استوا ہوتا ہے جہاں:

(الف) سمندر ہی سمندر رہے (ب) دن بڑے ہوتے ہیں

(ج) راتیں بڑی ہوتی ہیں (د) دن رات برابر ہوتے ہیں

(vi) عجیب بات ہے کہ قُطر کی لمبائی ہوتی ہے ہمیشہ نصف قُطر سے:

(الف) دُگنی (ب) سہ گنی (ج) چار گنی (د) کئی گنا بڑی

(۲) سبق ''ابتدائی حساب'' کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) مصنّف کے مطابق جمع کے قاعدے پر عمل کرنا آسان کیوں نہیں ہے؟

(ب) تقسیم کرنے کا طریقہ کب آسان ہوتا ہے؟

(ج) مصنّف کی طالب علمی کے زمانے میں الجبرے کا خاص مصرف کیا تھا؟

(د) مستطیل کے چار کے بجائے پانچ یا چھے ضلعے کر دینے سے مصنف کیا مراد لیتے ہیں؟

(ہ) مصنف کے نزدیک خط کی کتنی قسمیں ہیں اور وہ کون کون سی ہیں؟

(و) مصنف نے دائرے کے گول ہونے کی کیا وجہ لکھی ہے؟

(۳) سبق "ابتدائی حساب" کے متن کے حوالے سے دیے ہوئے جملوں میں خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) قاعدہ وہی اچھا ہے جس میں ________ زیادہ سے زیادہ آئے۔

(ب) بعض عدد خود نکل جاتے ہیں، بعضوں کو ________ نکالنا پڑتا ہے۔

(ج) علامہ اقبالؒ کی ________ ان کے علاوہ ہے۔

(د) چوں کہ طالب علم اس سے گھبراتے ہیں اور یہ جبراً پڑھایا جاتا ہے اس لیے ________ کہلاتا ہے۔

(ہ) علمائے ________ ہم لکیر کے فقیر کہ سکتے ہیں۔

(و) یہ اس لیے ہوتا ہے کہ کہیں تو دنیا میں دن رات ________ ہوں، کہیں تو مساوات نظر آئے۔

علمِ بیان:

تحریر و تقریر کی خوبیوں کے ذکر اور ان کی بحث کو علمِ بیان کہتے ہیں۔

علمِ بیان کی چار قسمیں ہیں: تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل، کنایہ۔

تشبیہ: جب کسی چیز کو مشترکہ صفت کی بنا پر اس کی کیفیت اور صورتِ حال کو مزید پُر تاثیر بنانے کے لیے کسی دوسری چیز کے مانند قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ جس چیز کو تشبیہ دیں اُسے مشبّہ، جس چیز کے ساتھ تشبیہ دیں اُسے مشبّہ بہٖ، وہ صفت جس کی بنیاد پر تشبیہ دی جائے، اسے وجہِ شبہ اور وہ کلمہ یا حرف جو مشبّہ اور مشبّہ بہٖ کو ملائے، اسے حرفِ تشبیہ کہتے ہیں۔

ارکانِ تشبیہ: تشبیہ کے چار ارکان ہوتے ہیں: مشبّہ، مشبّہ بہٖ، وجہِ شبہ اور حرفِ تشبیہ۔ جیسے: یہ کاغذ دودھ کی طرح سفید ہے۔

اس جملے میں "کاغذ" مشبّہ ہے، "دودھ" مشبّہ بہٖ ہے، "سفید" وجہِ شبہ ہے اور "کی طرح" حرفِ تشبیہ ہے۔

استعارہ: جب ہم کسی لفظ کو حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کریں کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے اصطلاح میں استعارہ کہتے ہیں۔

ارکانِ استعارہ: استعارے کے تین ارکان ہوتے ہیں: مستعار لہٗ (جس کے لیے استعارہ لیا جائے)، مستعار منہٗ (جس سے استعارہ لیا جائے) اور وجہِ جامع (مشترکہ صفت)۔ جیسے: ایک بلبل کہ ہے محوِ ترنّم ہے اب تک

علامہ اقبال کے اس مصرعے میں بلبل کا لفظ استعارہ ہے جو علامہ اقبال نے اپنی ذات کے لیے استعمال کیا ہے۔ "علامہ اقبال" (جن کا مذکور نہیں) مستعار لہٗ ہے، "بلبل" کا لفظ مستعار منہٗ ہے اور "ترنّم" کا لفظ وجہِ جامع ہے۔

Scanned with CamScanner CamScanner

۴) ان مثالوں میں سے تشبیہ اور استعارہ الگ الگ کیجیے۔

(الف) یہ خربوزہ شہد کی طرح میٹھا ہے۔ (ب) بچے کے گال گلاب کے پھول کی مانند نرم و نازک تھے۔

(ج) شیر کے آتے ہی رَن کانپ اُٹھا۔ (د) میرے چاند تُو کہاں تھا؟

تشبیہ:	استعارہ:

رموزِ اوقاف

رموزِ اوقاف سے مراد وہ علامتیں ہیں جو تحریر میں ایک جملے کو دوسرے جملے یا کسی جملے کے ایک حصّے کو دوسرے حصّوں سے علیحدہ کریں۔ اُردو میں رموزِ اوقاف کے طور پر کافی علامتیں استعمال ہوتی ہیں، یہاں ہم صرف پانچ علامتوں کا محلِ استعمال واضح کرتے ہیں:

سکتہ (،) اس علامت کو وقفِ خفیف بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علامت تحریر میں سب سے کم توقف کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ جہاں یہ علامت آئے وہاں پڑھنے والے کو بغیر سانس ٹوٹے بالکل ذرا سی دیر کے لیے ٹھہرنا چاہیے۔ جیسے: لاہور، سیال کوٹ، گجرات، ملتان اور سرگودھا پنجاب کے بڑے بڑے شہر ہیں۔

وقفہ (؛) اس علامت کو نصف وقف بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علامت سکتہ سے ذرا زیادہ ٹھہراؤ کے لیے آتی ہے۔ یہ علامت دو مقاصد کے تحت استعمال ہوتی ہے: جب ایک طویل جملے میں چھوٹے چھوٹے جملے آئیں یا کسی جملے کے مختلف اجزا پر زور دینا مقصود ہو۔ جیسے: جو کرے گا، سو بھرے گا؛ جو بوئے گا، سو کاٹے گا۔

رابطہ (:) اس علامت کا ٹھہراؤ، جسے وقفِ لازم بھی کہا جاتا ہے، وقفے سے قدرے زیادہ ہوتا ہے اور اس علامت کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے جہاں توقف کرنا لازم ہو بصورتِ دیگر عبارت کے خلط ملط ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ جیسے: ماں نے بیٹے سے کہا: "بیٹا! محنت کرو، محنت کا اجر ضرور ملتا ہے۔"

تفصیلیہ (:-) اس علامت کا استعمال جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے، وہاں کیا جاتا ہے جہاں کسی بات کی تفصیل بیان کی جائے، جیسے: علامہ اقبالؒ نے الہ آباد کے مقام پر خطبۂ صدارت دیتے ہوئے فرمایا:- ....

ختمہ (۔) اس علامت کو، جسے انگریزی میں فل سٹاپ کہتے ہیں، جملے کے خاتمے پر لگایا جاتا ہے لیکن جہاں سکتہ، وقفہ، وقفِ لازم یا تفصیلیہ کا محلِ استعمال ہو، وہاں ختمے کی علامت کا استعمال ہرگز دُرست نہیں۔ جیسے: دنیا دار العمل ہے۔

۵) درج ذیل جملوں میں رموزِ اوقاف کی علامتوں: سکتہ، وقفہ، رابطہ، تفصیلیہ اور ختمہ کا استعمال کریں۔

(الف) آج موسم بڑا خوش گوار ہے

(ب) قائدِ اعظمؒ کا فرمان اتحاد تنظیم اور یقینِ محکم ہمارے لیے آج بھی مشعلِ راہ ہے

(ج) ورزش کے فائدے حسب ذیل ہیں

(د) جاپان چین سنگاپور جنوبی کوریا اور فلپائن کا شمار ایشیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے

(ہ) آنا تو خفا آنا جانا تو رُلا جانا

(۶) اِعراب کی مدد سے تلفظ واضح کریں۔

تفریق	تقسیم	الجبرا	مثلث	منحنی	بندی

(۷) درج ذیل پیراگراف توجہ سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب تحریر کریں۔

بچت کرنا ایک ایسا عمل ہے جس میں آپ اپنی آمدنی یا پیسوں کا کچھ حصہ خرچ کیے بغیر محفوظ رکھتے ہیں تاکہ اسے مستقبل میں کسی ضروری کام یا مقصد کے لیے استعمال کیا جاسکے۔ یہ پیسے جمع کرنے کی عادت آپ کو غیر متوقع حالات، جیسے کہ ہنگامی اخراجات یا بڑی خریداریوں کے لیے مالی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ بچت کا مقصد صرف پیسے محفوظ کرنا نہیں ہوتا، بلکہ یہ مستقبل کی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے منصوبہ بندی کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ بچت کرنے سے مالیاتی آزادی اور استحکام حاصل کیا جاسکتا ہے، جس سے آپ زندگی میں اپنے اہداف کو حاصل کرنے میں کام یاب ہو جاتے ہیں۔

سوالات: (الف) بچت کرنے سے کیا مراد ہے؟ (ب) بچت کرنے کے کیا فائدے ہیں؟

(ج) کیا بچت کرنے کا مقصد محض اپنی رقم محفوظ کرنا ہے؟

(د) بچت سے کس طرح مالیاتی آزادی اور خود مختاری حاصل کی جاسکتی ہے؟

(ہ) اس عبارت کا موزوں عنوان تجویز کریں۔

سرگرمیاں:

- طلبہ اپنی کاپی میں جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے قاعدوں کے مسلّمہ اصول لکھیں۔
- طلبہ ایک فہرست بنائیں جس میں مصنف کے بیان کردہ تمام قاعدوں کی ایک ایک سطری مزاحیہ تفصیل لکھیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ مزاحیہ ادب اپنے ظاہری رویّوں میں سنجیدہ ادب سے قطعاً مختلف چیز ہے۔

۲۔ طلبہ پر واضح کر دیا جائے کہ مزاح کے لیے کوئی خاص صنف مخصوص نہیں بلکہ یہ کسی بھی صنف کی صورت میں لکھا جاسکتا ہے۔

۳۔ اس سبق میں ریاضی کے جن جن قاعدوں کا تذکرہ آیا ہے، ان کی اصل صورتِ حال سے طلبہ کو آگاہ کیا جائے۔

۴۔ طلبہ کو "اُردو کی پہلی کتاب" از مولانا محمد حسین آزاد کے بارے میں بتایا جائے تاکہ وہ مصنف کی مزاحیہ تحریر سے محظوظ ہو سکیں۔

Scanned with CamScanner

رضا علی عابدی

(ولادت: ۳۰ نومبر ۱۹۳۵ء)

رضا علی عابدی روڑکی، ضلع ہری دوار (اتر کھنڈ، انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی (پاکستان) آگئے۔ انھیں بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا چناں چہ طالب علمی کے زمانے ہی میں اپنے زورِ مطالعہ کی مدد سے فنِ خبر نگاری سے مکمل واقف ہو چکے تھے جس کی بنا پر انھوں نے بیس برس کی عمر میں پہلی بار بائیں ہاتھ سے انگریزی خبر کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے عرصے میں وہ عملی طور پر روزنامہ "حریت" کے ساتھ منسلک تھے، چناں چہ جنگ کے تمام حالات وواقعات کو روزنامہ "حریت" میں رپورٹ کرتے رہے۔

اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے برطانیہ چلے گئے اور پھر وہیں ۱۹۷۲ء میں بی بی سی سے منسلک ہو کر عملی زندگی کا آغاز کیا اور کچھ ہی عرصے میں بی بی سی اردو کے پروگراموں کو اس دل نشیں انداز میں پیش کیا کہ دنیا بھر کے اردو بولنے والوں کے دلوں میں اردو کی قدر و منزلت بڑھادی اور اِسی پلیٹ فارم سے ریڈیائی دستاویزی پروگراموں کی وجہ سے خاصی شہرت پائی، جہاں سے وہ ۱۹۹۶ء میں ریٹائر ہوئے۔

رضا علی عابدی، جنھیں اردو، سندھی، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں پر بڑا عبور حاصل ہے، بڑے بسیار نویس ہیں۔ وہ تادمِ تحریر تیس سے زیادہ کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جن میں "جرنیلی سڑک"، "شیر دریا"، "جہازی بھائی"، "ریل کہانی"، "پہلا سفر"، "کتب خانہ"، "اردو کا حال"، "اپنی آواز"، "کتابیں اپنے آبا کی" اور "جانے پہچانے" شامل ہیں۔ ان میں سے نصف تصانیف کے مخاطب بچے ہیں۔

یوں تو رضا علی عابدی کی ہر تصنیف ہی اہم ہے مگر اس وقت ہمارا روئے سخن اُن کے سفرنامے "جرنیلی سڑک" کی طرف ہے۔ یہ طویل جرنیلی سڑک جسے "جی ٹی روڈ" بھی کہا جاتا ہے اور جو موجودہ بنگلہ دیش کو افغانستان کے ساتھ ملاتی ہے، برِ عظیم کے حکمران شیر شاہ سوری (۱۴۷۲ء-۱۵۴۵ء) نے اپنے دورِ اقتدار میں تعمیر کرایا تھا۔ اس سڑک کی چھان بین میں رضا علی عابدی نے ایک ماہ تک مسلسل سفر کیا۔ اس کتاب میں جرنیلی سڑک پر واقع تمام اہم آبادیوں، اُن کی وجہ تسمیہ اور ثقافت کا تذکرہ ہے۔ مصنف کی یہ تحریر طنز و مزاح، اُداسیوں اور خوشیوں کے مختلف رنگوں سے مزیّن ہے۔

Scanned with CamScanner

لڑی میں پروئے ہوئے منظر

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو اُردو میں سفرنامے کی روایت سے آگاہ کرنا۔

۲۔ طلبہ کو بتانا کہ جرنیلی سڑک کا دوسرا نام جی ٹی روڈ ہے اور یہ سڑک سنار گاؤں (بنگلہ دیش) سے لے کر کابل (افغانستان) تک تقریباً تین ہزار چھے سو کلو میٹر لمبی ہے اور اسے پہلے پہل شیر شاہ سوری (۱۴۷۲ء-۱۵۴۵ء) نے اپنے دورِ اقتدار میں تعمیر کرایا تھا۔

۳۔ رضا علی عابدی کے حوالے سے طلبہ کی معلومات میں اضافہ کرنا کہ "لڑی میں پروئے ہوئے منظر" میں متذکرہ باتیں سنی سنائی باتیں نہیں بلکہ یہ تمام باتیں مصنف کی دریافت ہیں۔

۴۔ طلبہ کو متشابہ الفاظ اور رموزِ اوقاف: ندائیہ، فجائیہ، واوین، قوسین اور خط کے استعمال سے آگاہ کرنا۔

عجیب سڑک ہے یہ جرنیلی سڑک بھی۔

آپ اس پر چلیں اور شعور کی آنکھیں کھلی رکھیں تو جتنے اور جیسے منظر اس راہ میں آتے ہیں، شاید ہی کہیں آتے ہوں۔ آپ چلتے جاتے ہیں اور ایک نہایت آباد سرزمین کی معاشرت، معیشت اور تاریخ آپ کے ہم راہ چلتی ہے۔ کہیں حیرت آپ کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگتی ہے اور کہیں عبرت۔ منظر بدلتے جاتے ہیں مگر وہ لڑی نہیں بدلتی جس میں وہ سارے کے سارے پروئے ہوتے ہیں۔

مَیں پشاور سے چلا تو بالا حصار کے نیچے ایک پتھر لگا ہوا نظر آیا۔ اُس پر بڑے حرفوں میں "شاہراہِ پاکستان" لکھا تھا اور کسی وزیر کا نام لکھا تھا جس نے کبھی وہ پتھر وہاں لگایا ہوگا۔

کیسا دل چسپ اتفاق ہے۔ سڑک اور وزیر دونوں آنی جانی چیزیں ہیں۔ وادیِ پشاور اب بھی بہت سرسبز نظر آ رہی تھی۔ جن زمینوں کو آتے جاتے لشکروں نے بار بار روندا ہوگا وہ اب تک ہری بھری تھیں۔ کبھی ریلوے لائن سڑک کے قریب آجاتی تھی۔ کبھی بجلی کے بڑے بڑے کھمبے اور موٹے موٹے تار ساتھ ساتھ دوڑنے لگتے تھے۔ بستیاں آتی تھیں اور گزر جاتی تھیں۔ رمضان کا مہینا تھا، ان کے چائے خانے بند پڑے تھے۔ اس تمازت کے عالم میں کہیں سے اچانک دریائے کابل آگیا۔ یہ نوشہرہ کے قریب آجانے کی پہچان تھی۔

یہ شہر شاید اکبر نے آباد کیا تھا۔ کبھی یہاں دریا کے دائیں کنارے پر نوشہرہ خورد اور بائیں کنارے پر نوشہرہ کلاں، یہ دو گاؤں تھے۔ ایک سرائے بھی تھی جس میں جہانگیر ٹھہرا تھا۔ ایک قلعہ بھی تھا مگر تمام سرائیں اور قلعے گزرتے قافلوں کی گرد میں مل کر خود بھی گرد ہو جایا کرتے ہیں۔

اب ہم دریا دریا چل رہے تھے۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی وہاں تک زمین تھی، اس کے آگے بھی زمین تھی اور ان ہی زمینوں میں

Scanned with CamScanner

وہ چھوٹا سا گاؤں، لاہور، آج بھی آباد تھا جس میں سنسکرت قواعد کا سب سے بڑا عالم پانینی پیدا ہوا تھا۔

کچھ اور آگے ایک اور گاؤں "ہنڈ" تھا۔ اس مشینی دور میں یہ جاننے کی فرصت کسے ہے کہ یہی ہنڈ کبھی گندھارا کا پایۂ تخت تھا۔ یہیں آکر سکندر نے (دریائے) سندھ پار کیا اور چنگیز خاں یہیں سے دریا کا پاٹ دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔ یہیں محمود غزنوی نے پنجاب کے راجا جے پال کو شکست دی تھی۔ اسی کو مؤرخوں نے ہندوستان کا دروازہ کہا تھا۔ مگر اب یہ دریائے سندھ کے کنارے ایک گم نام سا گاؤں ہے جس کا ماضی تاریخ کی دھندلی چادر اوڑھ کر کبھی کا سو چکا ہے۔ اچانک خیر آباد آ گیا۔ سامنے دریائے سندھ شاہانہ انداز میں بہا چلا جا رہا تھا جس کے دوسرے کنارے پر عظیم الشّان قلعہ اٹک تھا، اکبرِ اعظم کا اٹک بنارس، چار صدیوں کا عینی شاہد، کتنے ہی زمانوں کا چشم دید گواہ۔ اٹک کے قلعے میں اب فوج رہتی ہے۔

یہاں ہماری گاڑی نے نئے پُل کے راستے دریا پار کیا۔ انگریزوں کا بنایا ہوا لوہے کا پُل سامنے نظر آتا رہا۔ کبھی سارا ٹریفک اُس مضبوط پُل کے اوپر چلا کرتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ گاڑی لوہے کے جنگل سے گزر رہی ہے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ انگریز چلتے وقت بتا گئے تھے کہ ان کے تمام پُلوں کی عمر پورے ایک سو برس ہو گی، اس کے بعد نئے پُل بنانا۔ جس روز میں اٹک پہنچا یہ پُل ایک سو دو سال پرانا ہو چکا تھا۔ موٹر گاڑیاں نئے پُل پر چلتی ہیں۔ ریل گاڑیاں اب بھی دعائیں دم کر کے اُسی بوڑھے پُل پر سے گزاری جاتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ اٹک کا یہ نام اکبر بادشاہ نے رکھا تھا۔ نام رکھنے کا اُسے بڑا شوق تھا۔ کسی جگہ کا خوب صورت منظر دیکھ کر اس کے مُنھ سے بے ساختہ "واہ" نکلی۔ اُس مقام کا نام "واہ" رکھ دیا گیا۔ پھر چلتے چلتے اُس کا قافلہ دریائے سندھ کے کنارے پہنچ کر اٹک گیا، وہ جگہ "اٹک" کہلائی۔ پھر قافلہ خیر سے پار اُتر گیا، وہ مقام "خیر آباد" کہلایا۔

اس کی ایک کہانی اور بھی ہے۔ اکبر نے اپنے پیش رو شیر شاہ سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ بہت سے کام جو اکبر نے کیے، ان کی بنیاد شیر شاہ رکھ گیا تھا۔ شیر شاہ کی مملکت بِہار سے پنجاب تک پھیل گئی تھی۔ اس کے ایک سِرے پر بہار میں قلعہ رُہتاس تھا۔ اس کے دوسرے سرے پر پنجاب میں گکھڑوں کی سرزمین پر شیر شاہ نے دوسرا قلعہ بنوایا تو اس کا نام بھی رُہتاس رکھا۔ بالکل اسی طرح اکبر کی مملکت کے ایک کنارے پر کٹک تھا، دوسرے کنارے کا نام اس نے اٹک رکھا۔ یہاں کشتیاں چلانے اور دریا پار کرانے کے لیے اکبر بنارس سے ملاح لایا اور اس خیال سے کہ وہ اب اسی جگہ کو وطن سمجھیں۔ اس چھوٹے سے شہر کو اٹک بنارس کا نام دے دیا گیا۔ ملاحوں کی گزر بسر کے لیے جاگیر اور رہنے کے لیے شہر میں ایک محلہ دیا گیا جو "ملاحی ٹولہ" کہلاتا ہے اور جہاں پرانے ملاحوں کی آل اولاد اب تک آباد ہے۔

اس کے پاس جہانگیر کے زمانے کی سرائے ہے۔ بہت بڑا احاطہ ہے جس کے گرد مسافروں کے لیے سیکڑوں کمرے ہیں۔ اس کے بعد کلکتے تک اتنی اچھی حالت میں کوئی سرائے نظر نہیں آئی۔

خود قلعے کا قصّہ یہ ہے کہ مغلوں نے اِسے کابل والوں سے چھینا، کابل والوں سے اسے سکھوں نے چھینا، انگریزوں نے سکھوں سے چھینا، سکھوں نے دوبارہ انگریزوں سے چھینا، انگریزوں نے دوبارہ سکھوں سے چھینا۔ اس چھینا جھپٹی کے باوجود یہ قلعہ آج تک کھڑا ہے اور جو اس سے بھی زیادہ مستعدی سے کھڑا ہے وہ دریا پار پنجاب کے علاقے میں داخل ہونے والی گاڑیوں کی تلاشی لینے والا کسٹم اور ایکسائز کا عملہ ہے۔

ہمیں یاد ہے کسی زمانے میں جب ہم جیسے چھوٹے لوگ لنڈی کوتل سے غیر ملکی کپڑا، بلیڈ، صابن اور سگریٹیں لے کر لوٹتے تھے تو اس جگہ تلاشی میں پکڑے جاتے تھے۔ اس زمانے میں بڑے لوگ اللہ جانے کیا کیا لے کر لوٹتے ہیں اور اس جگہ سے صاف نکل جاتے ہیں، جیبیں آج بھی چھوٹے ہی لوگوں کی ٹٹولی جاتی ہیں۔

راستے میں حسن ابدال کا پڑاؤ تھا۔ کبھی یہ شہر اتنا دل کش رہا ہوگا کہ مغل مُؤرّخ لکھتے ہیں کہ لاہور سے کابل جانے والی شاہراہ پر یہ حسین ترین منزل ہے۔ مگر آج کے حسن ابدال میں جھرنوں کے شور اور چڑیوں کی چہکار سے زیادہ جو چیز گونجتی ہے وہ سڑک کی دونوں طرف ہوٹلوں کے لاؤڈ اسپیکر ہیں جن پر دن رات فلمی گانے بجا کرتے ہیں۔ ہوٹلوں کے مالکوں کا خیال ہے کہ جس کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز زیادہ اونچی ہوگی اس کے ہاں گاہک بھی زیادہ آئیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ حسن ابدال رونق کی اور عبرت کی جا ہے۔ دونوں طرف انگریزوں کے زمانے کے اُونچے اُونچے درخت دُور تک سبزہ، نالیوں میں بہتا ہوا چشمے کا شفاف پانی، اِدھر اُدھر پرانی عمارتیں اور مسجدیں۔ ایک طرف سکھوں کا مشہور گردوارہ پنجہ صاحب اور دوسری طرف بابا ولی قندھاری کی چِلّہ گاہ۔ کشمیر کی طرف مڑ جانے والی سڑک پر کسی مغل بی بی کی قبر۔ کوئی کہتا ہے کہ اکبر کی بیٹی لالہ رخ تھی وہ یہاں عالم شباب میں مر گئی تھی، بعد میں طامس مور نے اپنی ایک نظم میں اُسے زندہ کر دیا۔

حسن ابدال کے قریب اُس مغل باغ کے آثار اب بھی موجود ہیں جس کے تالاب سے جہانگیر نے مچھلیاں پکڑی تھیں اور ان کی ناک میں موتی پرو کر پھر پانی میں چھوڑ دیا تھا۔ یہیں وہ بڑی سی چٹان ہے جس کے بارے میں سکھوں کا عقیدہ ہے کہ اسے بابا ولی قندھاری نے پہاڑی کے اوپر سے لڑھکا دیا تھا اور نیچے بابا گرونانک نے چٹان کو اپنے ایک پنجے پر روک لیا تھا۔ چٹان پر نانک کے پنجے کا نشان بن گیا تھا جو آج تک موجود ہے۔ تاریخ کا حساب کتاب رکھنے والے کہتے ہیں کہ جب گرونانک پشاور جاتے ہوئے حسن ابدال آئے تھے، بابا ولی قندھاری اُس سے بہت پہلے نہ صرف حسن ابدال سے بلکہ اس عالم فانی سے کوچ کر چکے تھے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ پانچ انگلیوں کا یہ نشان حسن ابدال والوں نے تراشا تھا۔

حسن ابدال سے آگے بڑھیں تو واہ چھاؤنی ہے۔ وہاں مغلوں کے دور کی بہت بڑی باؤلی ابھی تک اچھی حالت میں موجود ہے۔ کسی زمانے میں لوگ، اُن کے مویشی اور ہاتھی گھوڑے باؤلی کی سیکڑوں سیڑھیاں اُتر کر سیراب ہوا کرتے تھے۔ اب لوگ یہ مشقت نہیں کرتے بلکہ پمپ کے ذریعے سے پانی کھینچ لیتے ہیں۔

واہ سے آگے سرائے کالا ہے۔ جاتی روڈ پر یہ چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں کالے پتھر کی کونڈیاں فروخت ہوتی ہیں۔ ان کے باہر کے کناروں پر بیل بوٹے کھود کر ان میں رنگ بھر دیا جاتا ہے اور پھر اوپر تلے چن کر ان ہانڈیوں کے مینار سے کھڑے کر دیے جاتے ہیں۔ یہی سرائے کالا کی پہچان ہے۔ ظاہر ہے کہ کبھی اس جگہ مسافروں کے لیے سرائے رہی ہوگی، جہانگیر نے بھی یہاں پڑاؤ ڈالا تھا۔ اُس وقت اس جگہ کا نام کالا پانی تھا۔

ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ شیر شاہ اور مغلوں کے زمانے میں جو ہزاروں سرائیں بنائی گئی تھیں بعد میں ان کے گرد بستیاں آباد ہوتی گئیں۔ خود سرائیں نہیں رہیں البتہ آبادیوں کے نام کے ساتھ لفظ "سرائے" جڑا رہ گیا۔ مردم شماری کے ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ ہندوستان پاکستان میں کئی سو شہروں، قصبوں اور دیہات کے ناموں کے ساتھ لفظ "سرائے" لگا ہوا ہے۔ اگر نقشے پر اُن تمام مقامات کو لکیروں سے ملایا جائے تو کیا قدیم سڑکوں کا نقشہ خود بخود نہیں اُبھرے گا؟

جہاں یہ سرائے کالا ہے وہاں سے صرف چند کلو میٹر دور ٹیکسلا کے کھنڈر ہیں، وہی ٹیکسلا جو ہندوستان کے تاج میں ایسے نگینے کی طرح جڑا تھا جس سے پھوٹ کر گیان دھیان کی کرنیں ایک عالم کو منوّر کیا کرتی تھیں۔ وہ شہر اب یہیں آنکھیں موندے سو رہا ہے۔

سرائے کالا سے چار میل آگے مارگلہ کی پہاڑی دیوار بن کر کھڑی ہے۔ پہاڑی میں ایک کٹاؤ ہے لیکن اُس دن مَیں سوچنے لگا کہ اس پچیس تیس ہاتھ چوڑے پہاڑی شگاف کے راستے ہزاروں برسوں کے دوران میں ان گنت قبیلے، قافلے اور لاؤ لشکر گزرے ہوں گے۔ چین، افغانستان، وسطی ایشیا، ایران اور ایشیائے کوچک سے چاہے ایک تنہا مسافر آیا ہو چاہے ایک لشکرِ جرار، وہ سب مارگلہ کے اس کٹاؤ پر چڑھے ہوں گے اور اوپر پہنچ کر انھوں نے دوسری طرف کا نظارہ کیا ہوگا تو تاحدِ نگاہ ہندوستان ہی ہندوستان دکھائی دیا ہوگا۔ مارگلہ کا یہ تاریخی کٹاؤ ابھی موجود ہے۔ جسے دیکھنا ہو فوراً جا کر دیکھ لے کیوں کہ پہاڑی پتھر کاٹ کاٹ کر فروخت کرنے والے بیوپاریوں کی جدید مشینیں اس پہاڑی پر اس طرح ٹوٹی پڑ رہی ہیں جیسے قند کی ڈلی پر بھُوکی چیونٹیاں۔

بعد میں جب انگریزوں نے گرینڈ ٹرنک روڈ کی تعمیر شروع کی تو انجینئروں نے اس کٹاؤ سے ہٹ کر پہاڑی میں گہرا درّہ کاٹ دیا۔ اس سے آنا جانا آسان ہو گیا۔ البتہ بلندی پر اس سڑک کے آثار ابھی موجود ہیں جو غالباً اکبر نے بنائی تھی تاکہ کابل پر حملے کے لیے یہاں بھاری توپیں آسانی سے چڑھائی جا سکیں۔ اس درّے کے اوپر پہاڑی کی چوٹی پر نکلسن کی لاٹ میلوں دور سے نظر آنے لگتی ہے۔

دونوں وقت مل رہے تھے۔ مَیں مری روڈ پر کمپنی باغ کے سامنے کی گلی میں پہنچا۔ یہ گلی مَیں نے چوتھائی صدی پہلے بھی دیکھی تھی۔ وہی ٹین کی چادروں کا بڑا سا گیٹ، وہی اینٹوں کے فرش والا دالان اور اس کے گرد مطب کے وہی کمرے، مگر اب پورے شہر کی طرح یہ گلی بھی بدل گئی تھی۔ اگر کوئی نہیں بدلا تھا تو وہ گلی میں کھیلنے والے چھوٹے چھوٹے بچّے جو تمام عالم سے بے خبر، تمام زمانے سے بے نیاز آج بھی ہاتھوں میں ہاتھ دیے اپنے کھیل میں مگن تھے۔

مَیں نے دعا مانگی کہ یہ ہاتھ کبھی نہ چھوٹیں، ہمسائیگی کے یہ رشتے کبھی نہ ٹوٹیں۔ یہ گلیاں یوں ہی آباد اور ان میں کھیلتے ہوتے بچّے یوں ہی شاد رہیں۔

(جرنیلی سڑک)

مشق

(۱) درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) مصنف کو بالا حصار سے نیچے آنے کے بعد ایک پتھر پر لکھا نظر آیا:

(الف) شاہراہِ ریشم (ب) شاہراہِ پاکستان (ج) شاہراہِ قدیم (د) شاہراہِ جرنیل

(ii) وادیِ پشاور نظر آ رہی تھی:

(الف) ریگ زار (ب) مَرغزار (ج) ویران (د) سرسبز

(iii) مورخوں نے ہندوستان کا دروازہ کہا تھا:

(الف) لنڈی کوتل کو (ب) پشاور کو (ج) ہنڈ کو (د) نوشہرہ کو

(iv) اٹک کا نام رکھا تھا:

(الف) محمود غزنوی نے (ب) شہاب الدّین غوری نے (ج) اکبر اعظم نے (د) شیر شاہ سوری نے

(v) سکھوں کا مشہور گردوارہ واقع ہے:

(الف) نوشہرہ میں (ب) اٹک میں (ج) حسن ابدال میں (د) واہ میں

(vi) نوشہرہ کے قریب آجانے کی پہچان تھی:

(الف) دریائے سندھ (ب) دریائے کابل (ج) دریائے ہرو (د) دریائے سَون

(۲) سبق "لڑی میں پروئے ہوئے منظر" کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) مصنف کو (دُور سے) وادیِ پشاور کیسی نظر آ رہی تھی؟

(ب) محمود غزنوی نے راجا جے پال کو کس جگہ شکست دی تھی؟

(ج) اٹک کا قلعہ کس دریا کے کنارے بنایا گیا تھا؟

(د) وہ کون سا بادشاہ تھا جسے جگہوں کے نام رکھنے کا بڑا شوق تھا؟

(ہ) مؤرخین کے نزدیک لاہور سے کابل جانے والی شاہراہ پر حسین ترین منزل کون سی ہے؟

Scanned with CamScanner

(۳) درج ذیل الفاظ کے مترادف الفاظ لکھیں۔

پتھر	حیرت	دل چسپ	شوق	آبادیاں	حدود

(۴) درج ذیل الفاظ کے متضاد الفاظ لکھیں۔

تمازت	گم نام	شاہانہ	اوّل الذکر	قدیم	داخل

(۵) درج ذیل الفاظ میں سے مذکر اور مؤنث الفاظ الگ الگ لکھیں۔

زمین	وادی	سڑک	بستیاں	دریا
گاؤں	سرائے	قلعہ	شکست	دروازہ

متشابہ الفاظ

متشابہ الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو آواز یا شکل صورت کے لحاظ سے تو ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں لیکن اِعراب، املا یا معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ متشابہ الفاظ کی بالعموم درج ذیل تین صورتیں ہیں:

(الف) وہ الفاظ جن کا املا ایک جیسا ہو لیکن وہ معنوں کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ مثلاً: "ادا" بہ معنی ادا کرنا اور "ادا" بہ معنی طرز یا ڈھنگ۔ "بار" بہ معنی بوجھ اور "بار" بہ معنی دفعہ۔ "عرض" بہ معنی گزارش اور "عرض" بہ معنی چوڑائی۔ "کل" بہ معنی مشین اور "کل" بہ معنی آنے والا یا گزرا ہوا دن۔ "آب" بہ معنی پانی اور "آب" بہ معنی چمک۔ "دور" بہ معنی زمانہ اور "دور" بہ معنی گردش۔ "رقم بہ معنی روپیا پیسا اور "رقم" بہ معنی لکھنا۔

(ب) وہ الفاظ جن کا املا تو ایک جیسا ہو لیکن اِعراب کی تبدیلی سے ان کے معنی میں فرق پڑ جاتا ہو، مثلاً: دَر اور دُر۔ مَلک اور مُلک، عِلم اور عَلَم۔ دَور اور دُور۔ دَھن اور دُھن۔ بَین اور بِین۔ شِیر اور شیر۔ سِحر اور سَحَر۔ اِعراب اور اَعراب۔

(ج) وہ الفاظ جن کی آواز تو بظاہر ایک جیسی ہو لیکن ان کا املا اور معنی مختلف ہوں، مثلاً: رازی، راضی۔ اثر، عصر۔ اصل، عسل۔ باز، بعض۔ چارہ، چارا۔ رسد، رصد۔ زن، ظن۔ کسرت، کثرت۔ نقطہ، نکتہ۔ لعل، لال۔ مامور، معمور۔ حضر، حذر۔ آر، عار۔

(۶) متشابہ الفاظ میں جزو (الف) اور جزو (ب) کے الفاظ کے معنی لکھیں۔

رموزِ اوقاف

آپ نے رموزِ اوقاف کی چند اہم علامتوں: سکتہ، وقفہ، وقفِ لازم، تفصیلیہ اور ختمہ کے بارے میں گزشتہ سبق میں پڑھا ہے۔ باقی ماندہ اہم علامتوں کی وضاحت بیان کی جاتی ہے:

استفہامیہ یا سوالیہ (؟) یہ علامت کسی استفہامیہ یا سوالیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔ مثلاً: یہ کیا ہے؟ یہ کتاب کس کی ہے؟ آج کیا

تاریخ ہے؟ کون آیا ہوا ہے؟ رہا ہے؟ وغیرہ

ندائیہ (!) یہ علامت دراصل لفظ "ندا" کا مخفف ہے اور لفظ "ندا" کے الف کے نیچے نون کا نقطہ لگا کر بنائی گئی ہے۔ یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں کسی کو ندا دینا، پکارنا، خطاب کرنا مقصود ہو، مثلاً: خدایا! میری آرزو پوری کر دے۔ اے بھائی! ذرا میری بات سنو۔ وغیرہ

فجائیہ (!) جب تحریر میں غصہ، حقارت، تعجب، تمنا، ادب، تعظیم، ندامت، خوف، تحسین و آفرین وغیرہ جذبات کو ظاہر کرنا مقصود ہو تو یہ علامت استعمال کی جاتی ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بلا اختیار یا خود بخود زبان سے نکل گئے ہیں۔ مثلاً: وہ اور رحم! اس کی امید فضول ہے۔ اُف! بے چارہ چل بھی نہیں سکتا۔ وغیرہ

واوین ("") اس علامت کا استعمال کسی کا قول مِن و عَن نقل کرتے وقت یا کسی اقتباس کا اندراج کرتے وقت اس قول یا اقتباس کی ابتدا اور اس کے آخر میں کیا جاتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ واوین کے اندر والی عبارت گُفت گو کرنے والے ہی کے الفاظ پر مشتمل ہے، مثلاً:

باپ نے بیٹے سے کہا: "بیٹا! محنت کرو، محنت کا پھل ضرور ملے گا۔"

مَیں نے ملازم سے کہا: "جاؤ! میرا سامان گاڑی سے نکال لاؤ۔"

قوسین () اس علامت میں، جسے انگریزی میں بریکٹس کہا جاتا ہے، کسی بات کی وضاحت کے لیے الفاظ لکھے جاتے ہیں جو لفظ معترضہ یا جملۂ معترضہ کے طور پر آتے ہیں اور انھیں حذف کر دینے سے عبارت کے ربط و تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً:

انور صاحب (مرحوم) سے ہمارے بھی دیرینہ تعلقات تھے۔

میرا گھر (مکان کا وہ حصّہ جس میں میری سکونت ہے) خاصا بوسیدہ ہو گیا ہے۔

خط (—) انگریزی میں اس علامت کو ڈیش کہا جاتا ہے۔ جس طرح قوسین جملۂ معترضہ کو رواں تحریر سے الگ کرتی ہے، اسی طرح یہ علامت بھی نیم ختمہ کا کام دیتے ہوئے جملہ ختم کیے بغیر اس میں اچانک تبدیلی کو ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً:

میں بیمار ہوں — آپ سے ملنا بھی ضروری تھا۔

اب تو اسی تنخواہ میں — وہ جتنی بھی ہے — گزارا کرنا ہو گا۔

(۷) رموزِ اوقاف کی علامتوں: استفہامیہ یا سوالیہ، ندائیہ، فجائیہ، واوین، قوسین اور خط کی علامتوں کا استعمال کرتے ہوئے ہر علامت کی دو دو مثالیں مزید دیں۔

۸) درج ذیل پیراگراف توجہ سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب تحریر کریں۔

فورٹ منرو، پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خان میں واقع ایک حسین پہاڑی مقام ہے جو اپنی قدرتی خوب صورتی اور دل کش مناظر کے باعث سیاحوں کے لیے ایک پُرکشش مقام ہے۔ سطح سمندر سے تقریباً ۶۴۷۰ فٹ بلند یہ مقام موسم گرما میں ٹھنڈی ہوائیں اور سرسبز پہاڑوں کا دل کش منظر پیش کرتا ہے۔ یہاں کے جنگلات، خوب صورت وادیاں، اور چشمے دیکھنے والوں کو مسحور کر دیتے ہیں۔ فورٹ منرو کو تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے، کیوں کہ یہ علاقہ ماضی میں برطانوی فوج کے لیے ایک دفاعی چوکی کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہاں کی مخصوص ثقافت، روایتی طرزِ زندگی اور مقامی دست کاریوں کی دکانیں بھی سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ فورٹ منرو کا سفر نہ صرف فطرت سے محبت کرنے والوں کے لیے ایک خوش گوار تجربہ ہوتا ہے بلکہ وہ لوگ جو سکون اور فطرت کے قریب رہنا چاہتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ ایک بہترین تفریحی مقام ہے۔

سوالات: (الف) فورٹ منرو کہاں واقع ہے اور اس کی وجہِ شہرت کیا ہے؟ (ب) فورٹ منرو کا موسم کیسا ہے؟

(ج) فورٹ منرو کی تاریخی حیثیت کا پس منظر کیا ہے؟

(د) فورٹ منرو اپنی ثقافت اور دست کاریوں کے حوالے سے کیسی شہرت رکھتا ہے؟

(ہ) اس عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

سرگرمیاں:

- طلبہ لائبریری یا انٹرنیٹ سے سارک (SAARC) کے ممالک کا ایک نقشہ حاصل کریں اور اس میں جرنیلی سڑک (جی ٹی روڈ) کی نشان دہی کریں اور ٹیوٹوریل گروپ میں بتائیں۔
- اس سبق میں جتنی بھی آبادیوں کا تذکرہ ہوا ہے، طلبہ اس کی ایک فہرست بنائیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ برعظیم پاک و ہند کا ایک بڑا سا نقشہ حاصل کریں اور سنار گاؤں (بنگلہ دیش) سے کابل (افغانستان) تک جرنیلی سڑک کی نشان دہی کرائیں۔

۲۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ قدیم زمانے میں اسی شاہراہ کے راستے قافلے گزرا کرتے تھے۔

۳۔ اساتذہ طلبہ کی معلومات میں اضافہ کریں کہ شمال مغرب کی طرف سے جتنے بھی حملہ آور سوائے (محمد بن قاسم) کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے آئے، وہ اسی شاہراہ کے راستے آئے۔

۴۔ اساتذہ ان تمام بڑے بڑے دریاؤں کے نام سے طلبہ کو آگاہ کریں جو اس شاہراہ کے راستے میں پڑتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

فاروق سرور

(ولادت: ۲۵ر مئی ۱۹۶۳ء)

فاروق سرور صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ سے ایم اے انگلش کرنے کے بعد گورنمنٹ لاکالج کوئٹہ سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۹۱ء میں کوئٹہ ہی میں قانون کی پریکٹس شروع کردی اور آج تک اسی پیشے کے ساتھ وابستہ ہیں اور سیشن کورٹ کوئٹہ اور بلوچستان ہائی کورٹ کوئٹہ میں بطور ایڈووکیٹ کام کرتے ہیں۔

فاروق سرور کو کہانیاں لکھنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ تادمِ تحریر اُن کی سترہ کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں سے بارہ کتابیں پشتو کی، چار اُردو کی اور ایک کتاب انگریزی کی ہے۔ انھیں اُن کی ادبی خدمات کی بنا پر تین بار حکومتِ بلوچستان کی طرف سے بہترین کتاب کے انعام کا اور حکومتِ پاکستان کی جانب سے "پرائیڈ آف پرفارمنس" کا حق دار قرار دیا جاچکا ہے اور وہ اکادمی ادبیات، اسلام آباد کی جانب سے "خوش حال خاں خٹک ایوارڈ" بھی اپنے نام کر چکے ہیں۔

فاروق سرور بڑے اوصاف کے حامل لکھاری ہیں۔ وہ بیک وقت افسانہ نگار، ناول نگار، کالم نگار، مترجم اور ریڈیو، ٹی وی ڈراموں کے آرٹسٹ بھی ہیں۔

ان کی پشتو افسانوں سے ترجمہ شدہ اُردو کتاب کا نام "ندی کی پیاس" ہے اور شاملِ کتاب افسانہ "بھیڑیا" اُسی کتاب سے مستعار ہے۔ یہ ایک علامتی افسانہ ہے جس میں انسانی جذبات کا بہ کمال اظہار ہوتا ہے۔ بعض قارئین کو یہ افسانہ اس قدر پسند آیا کہ مصنف نے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ ان کی دوسری تصانیف میں "دریا"، "لیوہ"، "سکاروائی"، "ادب سر"، "ساگوان" اور "مجرم" شامل ہیں۔

● ●

Scanned with CamScanner

بھیڑیا

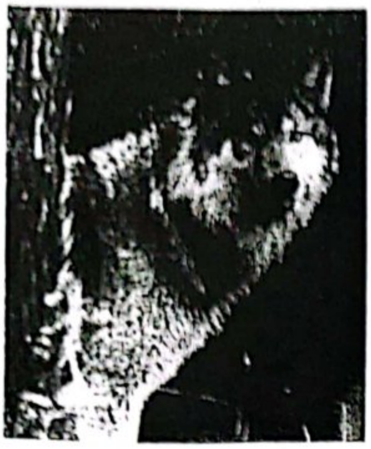

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ ہر چند پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے تاہم پاکستان کے چاروں صوبوں اور ملحقہ خطوں میں مقامی زبانیں اور بولیاں بولی جاتی ہیں۔

۲۔ طلبہ کو ترجمہ نگاری کے اصولوں سے روشناس کرنا۔

۳۔ شاملِ کتاب سبق "بھیڑیا" پشتو زبان میں ایک علامتی افسانہ ہے جس کا فاروق سرور نے اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔

۴۔ طلبہ کو حروف کی مزید کچھ اقسام سمجھانا۔

طلبہ کو انگریزی اقتباس کا اُردو میں ترجمہ کرنا سکھانا۔

مَیں جب ارد گرد دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ میرے چاروں طرف بے شمار درخت ہیں۔ ہر درخت میں کسی نہ کسی شخص نے پناہ لے رکھی ہے اور اس کا بھیڑیا کھڑا غُرّا رہا ہے۔

بہت دیر سے مَیں نے ایک درخت میں پناہ لے رکھی ہے۔ مَیں اب تھک چکا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ نیچے اتروں لیکن کم بخت بھیڑیا مجھے اترنے نہیں دیتا۔ وہ نیچے کھڑا مجھے مسلسل خوف ناک نظروں سے دیکھ رہا ہے اور اس انتظار میں ہے کہ مَیں کب اتروں گا اور وہ مجھے چیر پھاڑ کر کھا جائے گا۔

جس درخت پر اب میرا مسکن ہے۔ یہ ایک عجیب سا درخت ہے بلکہ اگر مَیں اسے جادو کا درخت کہوں تو بے جا نہ ہو گا۔ مَیں یہاں جو بھی خواہش کرتا ہوں وہ فوراً پوری ہو جاتی ہے۔ اگر نرم اور گرم بستر کے بارے میں سوچوں تو وہ میرے قریب بچھ جاتا ہے۔ اکتا جاؤں تو میرے سامنے ایک شان دار ٹی وی سیٹ آجاتا ہے۔ جس کے اسٹیریو اسپیکرز ہوتے ہیں اور جو دنیا کا ہر اسٹیشن پکڑ سکتا ہے۔ اگر کسی بھی کھانے کے لیے میرا جی چاہے تو وہ فوراً حاضر ہوتا ہے۔ یہاں سب کچھ ہے، ہر طرح کی آسائشیں ہیں لیکن یہاں جس چیز کی کمی ہے اور جس چیز کے لیے میں تڑپ رہا ہوں وہ ہے آزادی، لیکن یہ آزادی مجھ سے قربانی کا تقاضا کرتی ہے اور قربانی، یہ کہ مجھے نیچے اترنا پڑے گا اور بھیڑیے کو ہلاک کرنا ہو گا لیکن مجھ میں اتنی جرأت نہیں، میں بھیڑیے سے خوف زدہ ہوں اور وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہے۔

کبھی کبھی جب مَیں اُس وقت کو یاد کرتا ہوں جب بھیڑیا میرا پیچھا کر رہا تھا تو میرا پسینہ چھُوٹ جاتا ہے۔ ایک سنسنی سی جسم میں پھیل جاتی ہے دل ڈوبنے لگتا ہے۔ تب میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اگر یہ درخت میرے سامنے نہ آتا اور مجھے پناہ نہ دیتا تو بھیڑیا کب کا مجھے ہلاک کر چکا ہوتا۔

مایوسی کے اس گھپ اندھیرے میں کبھی کبھار اس بات پر بھی خوش ہو جاتا ہوں کہ درخت کافی اونچا ہے مَیں یہاں ہر طرح سے محفوظ ہوں اور بھیڑیا میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

دن کے وقت تو میری حالت ٹھیک رہتی ہے کوئی نہ کوئی مصروفیت نکل آتی ہے لیکن جوں ہی رات ہوتی ہے ایک عجیب سی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سو جاتا ہوں تو خوف ناک خواب مجھے ڈراتے ہیں۔ ایک قیامت سی مجھ پر گزرتی ہے، تمام جسم تھکا ہوتا ہے اور ایک ایک انگ یوں دکھ رہا ہوتا ہے جیسے کسی نے چابک سے مجھے سخت مارا ہو۔

اکثر مَیں یہ سوچتا ہوں کہ مَیں کب تک اس عذاب میں مبتلا رہوں گا۔ کب تک انتظار کروں گا کہ بھیڑیا بھوک سے مر جائے لیکن وہ بجائے مرنے کے پہلے سے زیادہ طاقت ور ہو جاتا ہے۔

ایک صبح جب میری آنکھ کھلتی ہے تو اچانک درخت کے گھنے پتّوں سے مجھے کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ خوف سے ایک تیز سی چیخ میرے مُنھ سے نکلتی ہے اور مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ بھیڑیا بالآخر اپنی کوشش میں کام یاب ہو ہی گیا پھر میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب مجھے پتا چلتا ہے کہ وہ میرے ہی جیسا ایک شخص ہے، پریشان اور گھبرایا ہوا۔ اس اجنبی نے درخت پر ایک اور بھیڑیے کے خوف سے پناہ لے رکھی ہے۔ اس کا بھیڑیا بھی نیچے کھڑا غُرّا رہا ہے۔ درخت پر پنجے گاڑ رہا ہے لیکن تمام کوششوں کے باوجود اوپر درخت پر چڑھ نہیں پاتا۔

ہم دونوں لوگ ہیں جو اپنے اپنے بھیڑیوں سے خوف زدہ ہیں باوجود یہ کہ درخت میں ہمارے لیے ہر طرح کی آسائشیں موجود ہیں لیکن ہم ان آسائشوں سے خوش نہیں، جبر اور اکتاہٹ کا احساس روز بروز ہمیں کھائے جا رہا ہے، اب تو ہمیں رات کو نیند بھی نہیں آتی جوں ہی آنکھ لگتی ہے بھیڑیے کا خوف ناک چہرہ ہمیں دوبارہ جگا دیتا ہے۔ کم بخت اب ہمارے خوابوں میں بھی گھُس گیا ہے وہ ہمیں یہاں سکون سے رہنے نہیں دیتا۔

ہم دونوں کے بھیڑیے اکثر اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی ان دونوں پر ایسا جنون سوار ہو جاتا ہے کہ وہ درخت پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس کے موٹے تنے پر دانت اور پنجے گاڑ دیتے ہیں اور اس وقت خوف ناک سی غُرّاہٹ ہوتی ہے۔

دونوں کے بھیڑیوں کا یہ اچانک کا باؤلا پن ہمیں مزید ڈرا دیتا ہے۔ لیکن ایک بات یہ ہے ہم دونوں کے بھیڑیوں کا تعلق اپنے اپنے آدمی سے ہے۔ میرے ساتھی کا بھیڑیا مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور میرا بھیڑیا اس سے، خاص بات یہ ہے کہ دونوں بھیڑیے بھی ایک دوسرے سے لاتعلق رہتے ہیں اور ہم اس بات سے حیران ہوتے ہیں۔

ایک دن کافی سوچ بچار کے بعد ہم دونوں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم دونوں نیچے اتریں گے اور اپنے اپنے بھیڑیے سے مقابلہ کریں گے، جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا ورنہ یہ عذاب کی زندگی ہم کب تک گزاریں گے تب ہم دونوں آنکھیں بند کر کے نیچے کودنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ میرا ساتھی تو کود جاتا ہے مگر مَیں اپنی بزدلی کے باعث ایسا نہیں کر پاتا اور اپنی جگہ بیٹھا رہ جاتا ہوں۔

اس کا بھیڑیا جوں ہی اسے نیچے دیکھتا ہے تو فوراً اس کی طرف لپکتا ہے اور اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ میرا بھیڑیا بھی خبردار ہو جاتا ہے اور اس کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن جب مَیں نیچے نہیں اترتا تو وہ غصّے سے آگ بگولا ہو جاتا ہے اور پاگلوں کی طرح درخت کے موٹے تنے کے ساتھ لڑنا شروع کر دیتا ہے۔ اس سے پیش تر میرے ساتھی کا بھیڑیا اسے زمین پر گرائے، وہ اس چھوٹی سی شاخ سے

بھیڑیے کو مارتا ہے جو اس نے درخت سے توڑی ہوتی ہے۔ اس کا بھیڑیا اسی وقت زمین پر گرتا ہے اور چند ہی لمحوں میں مر جاتا ہے۔

میرا ساتھی اب آزاد ہے۔ اس نے اپنی بہادری سے آزادی حاصل کر لی لیکن مَیں اب تک اس پرانے عذاب میں مبتلا ہوں اور خود کو کوس رہا ہوں۔ میرا بھیڑیا اب پہلے سے زیادہ خوف ناک ہو جاتا ہے۔ وہ وحشی بن چکا ہے اور ہر وقت درخت سے ٹکراتا رہتا ہے شاید اس کا یہ خیال ہے کہ اس طرح مَیں درخت سے نیچے گر پڑوں گا یا درخت ٹوٹ جائے گا۔ مگر مَیں نے ہر وقت درخت کی شاخوں کو مضبوطی سے پکڑا ہوتا ہے اور مارے خوف کے میرا جسم پسینے میں ڈوبا ہوتا ہے۔ دن ہو یا رات میں مسلسل بھیڑیے کو بددعائیں بھی دیتا ہوں لیکن وہ کم بخت ہے کہ باز نہیں آتا۔

میرا ساتھی مسلسل مجھے آوازیں دیتا ہے۔ وہ قسمیں کھاتا ہے۔

"اگر تم نیچے اترو تو بھیڑیا تمھارا کچھ نہیں بگاڑے گا، وہ بہت کمزور ہے تم اسے آسانی سے مار سکتے ہو۔"

لیکن مجھے اس کی بات پر یقین نہیں اور اوپر کھڑا خوف سے کانپ رہا ہوتا ہوں۔ اب چند ایسے واقعات شروع ہو جاتے ہیں کہ مجھے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ مَیں بالآخر مر جاؤں گا۔

اچانک درخت میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ مَیں فوراً نیچے دیکھتا ہوں کہ بھیڑیے نے اسے ہلایا تو نہیں لیکن بھیڑیا اپنی جگہ لیٹا ہوتا ہے۔

یہ کیا۔۔۔؟

مَیں چیخ اٹھتا ہوں۔ درخت لحہ بہ لحہ چھوٹا ہو رہا ہے۔ مَیں مارے گھبراہٹ کے درخت کی موٹی شاخوں پر زور زور سے اُچھلتا ہوں کہ ہو سکتا ہے اس طرح سے درخت رک جائے لیکن درخت نہیں رکتا اور چھوٹا ہوتا جاتا ہے۔

اب ایک دوسری چیز مجھے مزید خوف زدہ کرتی ہے۔ بھیڑیا بھی بڑا ہو رہا ہے اور تھوڑی دیر میں ایک بیل جتنا بڑا ہو جاتا ہے۔

مَیں چیختا ہوں، چلّاتا ہوں۔ درخت کے اندر اِدھر اُدھر بھاگتا ہوں لیکن بے سُود۔ اب مَیں خود کو ذہنی طور پر موت کے لیے تیار کر لیتا ہوں اور ارد گرد کی تمام چیزوں کو الوداعی نظروں سے دیکھتا ہوں۔ بھیڑیا اور مَیں لحہ بہ لحہ ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔

میرا ذہن اب بالکل ماؤف ہے۔ میری آنکھیں بند ہیں اور مَیں پھانسی چڑھنے والے اس مجرم کی طرح موت کو خوش آمدید کہہ رہا ہوں جس کی گردن میں رسّی کا پھندا ڈالا جا چکا ہے اور جو اَب اس انتظار میں ہے کہ جلّاد کب لیور کھینچے گا۔ مَیں اس وقت اگر کوئی آوازیں سن رہا ہوں تو وہ صرف میرے ساتھی کی ہیں، جو نیچے سے دے رہا ہے کہ خدارا نیچے اترو۔ تم بھیڑیے سے زیادہ طاقت ور ہو۔ بھیڑیا یونہی ایک خوف ہے۔ رائی کا ایک پہاڑ ہے جسے تم ایک ہی ٹھوکر سے اپنے راستے سے ہٹا سکتے ہو۔

بالآخر مَیں ہمّت کرتا ہوں اور درخت سے نیچے کودتا ہوں۔ میرا بھیڑیا جوں ہی اپنے سامنے پاتا ہے مجھ پر حملہ کر دیتا ہے لیکن پیش تر اس کے کہ وہ مجھے ہلاک کر دے میں اسے ایک اس پتلی اور نازک سی شاخ سے مارتا ہوں جو مَیں نے درخت سے توڑی ہوتی ہے۔

ہاتھی جیسا بڑا بھیڑیا دھڑام سے نیچے گرتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے مر جاتا ہے۔

اب مَیں آزاد ہوں۔
کتنی حسین ہے آزادی، کتنا خوب صورت ہے اس کا احساس! مَیں خوشی سے چیخ اٹھتا ہوں۔ رقص کرتا ہوں۔ دیوانوں کی طرح اُچھلتا ہوں۔
کچھ دیر کے بعد جب میرا جوش کچھ کم ہو جاتا ہے تو اپنے ساتھی کی طرف دیکھتا ہوں تاکہ اس کا شکریہ ادا کروں لیکن میرا ساتھی اپنی جگہ موجود نہیں ہوتا۔ مَیں جب ارد گرد دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ میرے چاروں طرف بے شمار درخت ہیں۔ ہر درخت میں کسی نہ کسی شخص نے پناہ لے رکھی ہے اور اس کا بھیڑیا کھڑا غرّا رہا ہے۔
اب مَیں زور زور سے ہنستا ہوں۔ قہقہے لگاتا ہوں اور ان سادہ اور معصوم لوگوں کی طرف بڑھتا ہوں جو ناحق اپنے بھیڑیوں سے خوف زدہ ہیں۔

(ندی کی پیاس)

● ●

مشق

(۱) سبق "بھیڑیا" کے متن کے حوالے سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(i) ہم دونوں کے ______ اکثر اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔
(الف) اژدہے (ب) مینڈھے (ج) بھیڑیے (د) چیتے

(ii) ایک دن کافی ______ کے بعد ہم دونوں یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم دونوں نیچے اتریں گے۔
(الف) سمجھ بوجھ (ب) تردّد (ج) غوروفکر (د) سوچ بچار

(iii) ______ جیسا بڑا بھیڑیا دھڑام سے نیچے گرتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے مر جاتا ہے۔
(الف) گھوڑا (ب) ہاتھی (ج) شیر (د) چیتا

(iv) میرا ساتھی بھیڑیے کو مارتا ہے:
(الف) بندوق سے (ب) چھوٹی سی شاخ سے (ج) تیر کمان سے (د) لاٹھی سے

(v) میرے ساتھی نے آزادی حاصل کرلی اپنی:
(الف) بہادری سے (ب) عقل مندی سے (ج) جرأت وہمت سے (د) مستقل مزاجی سے

۲۔ سبق "بھیڑیا" کے متن کے مطابق دیے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) درختوں کے نیچے کھڑے کیا گزار رہے تھے؟

(ب) اس کہانی میں بلند درخت کس بات کی علامت ہے؟

(ج) جب گھنے درختوں میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے تو مصنف کو کیا پتا چلتا ہے؟

(د) اس کہانی میں "بھیڑیا" کس بات کی علامت ہے؟

(ہ) "میرا ساتھی" اپنے بھیڑیے کو کس چیز سے ہلاک کرتا ہے؟

۳۔ سبق "بھیڑیا" کے متن کو مدِ نظر رکھ کر درست بیان کے آگے (✓) اور غلط کے آگے (x) کا نشان لگائیں۔

(الف) جب میں ارد گرد دیکھتا ہوں، میرے چاروں طرف بے شمار پودے ہیں۔

(ب) میں بھیڑیے سے خوف زدہ ہوں اور وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہے۔

(ج) اگر یہ درخت مجھے پناہ نہ دیتا تو بھیڑیا کب کا مجھے ہلاک کر چکا ہوتا۔

(د) جوں ہی رات ہوتی ہے، ایک عجیب سی راحت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(ہ) ایک ایک انگ یوں دُکھ رہا ہوتا ہے جیسے کسی نے لاٹھی سے مجھے مارا ہو۔

(و) اس اجنبی نے درخت پر ایک اور شیر کے خوف سے پناہ لے رکھی ہے۔

حروف

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ حروف کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے چند ایک کی مختصر وضاحت پہلے آ چکی ہے، کچھ ایک کی وضاحت یہاں کی جاتی ہے:

حروفِ تحسین: وہ حروف ہیں جو تحسین و آفرین اور تعریف و توصیف کے موقع پر بولے جاتے ہیں، مثلاً: شاباش، بہت خوب، واہ وا، سبحان اللہ، مرحبا، آفرین ہے وغیرہ۔ حروفِ تحسین کے استعمال کے فوری بعد فجائیہ کی علامت "!" لگانی چاہیے۔

حروفِ نفرین: وہ حروف ہیں جو نفرت، حقارت یا ملامت کے جذبات کے اظہار کے موقع پر کہے جاتے ہیں، مثلاً: توبہ توبہ، لعنت، ہزار لعنت، تھو، اخ تھو، تف، پھٹکار وغیرہ۔

حروفِ ندا: وہ حروف ہیں جو کسی کو ندا یا آواز دینے یا پکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، مثلاً:

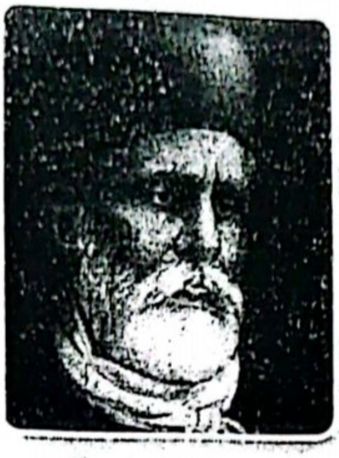

خواجہ الطاف حسین حالیؔ

(۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء)

خواجہ الطاف حسین نام اور حالی تخلّص کرتے تھے۔ آپ پانی پت (ہریانہ، انڈیا) کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ گرامی کا نام خواجہ ایزد بخش تھا جو حافظِ قرآن تھے اور ان کی قرأت کا شہرہ اس قدر تھا کہ لوگ دُور و نزدیک سے ان کی تلاوت سننے کے لیے کشاں کشاں چلے آتے اور سر دُھنتے رہ جاتے تھے۔ انھوں نے لحنِ داؤدی پایا تھا۔ یہی صفات مولانا حالی کی ذات میں بھی بدرجۂ اُتم موجود تھیں اور وہ بھی حافظِ قرآن تھے۔ مولانا حالی کم عمری ہی میں والدین کے سائے سے محروم ہوگئے۔ مزید علم حاصل کرنے کا شوق انھیں دہلی لے گیا جہاں معاشی طور پر مشکل حالات میں اکتسابِ علم کے ساتھ ساتھ مشاہیر کی صحبتوں، خصوصاً نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ اور مرزا غالب سے فیض حاصل کیا۔

مولانا حالی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے زمانے کے کچھ عرصہ بعد لاہور آگئے اور گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازمت اختیار کر لی اور یہیں رہ کر مولانا محمد حسین آزاد کے ساتھ غزل کے بجائے نظمیں لکھنے کی بنیاد ڈالی اور اپنی چار طویل نظمیں (مثنویاں): "برکھارُت"، "نشاطِ امید"، حُبِّ وطن" اور "مناظرۂ رحم وانصاف" انجمن پنجاب لاہور کے پلیٹ فارم سے پیش کیں۔

مولانا حالی سر سیّد تحریک سے وابستہ قوم کے بہت بڑے مصلح ہیں۔ وہ اُردو کے پہلے نقاد اور پہلے سوانح نگار تصور ہوتے ہیں۔ ان کا ذوقِ شعر اعلیٰ درجے کا تھا۔ وہ فنِ شعر اور نقدِ شعر دونوں میں صاحبِ نظر تھے۔ بلاشبہ ان کے یہاں قدیم رنگِ شاعری بھی موجود ہے جو بہت خوب ہے مگر ان کا اصل جوہر اور کمال جدید رنگِ شاعری میں ظاہر ہوا۔ ان کی نظموں کی بڑی خوبی زبان و بیان کی سادگی اور سلاست ہے۔

اُردو شاعری میں مولانا حالی کا اعلیٰ ترین کارنامہ ان کی طویل نظم "مدّوجزرِ اسلام" ہے جو عام طور پر "مسدّسِ حالی" کے نام سے معروف ہے۔ یہ نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ اس نے مقبولیت اور شہرت کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ "مسدّسِ حالی" کے بارے میں سر سیّد کہا کرتے تھے: "مَیں اس (مسدّسِ حالی) کا مُحرّک ہوا ہوں اور مَیں اسے اپنے اَعمالِ حَسَنہ سے سمجھتا ہوں۔ جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لائے ہو تو مَیں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں اور کچھ نہیں۔"

شاملِ کتاب نظم "محنت کی برکات" مسدّسِ حالی سے مستعار اقتباس ہے اور اس نظم میں، جیسا کہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے محنت سے کام کرنے والوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔

سبق: ۱۲

محنت کی برکات

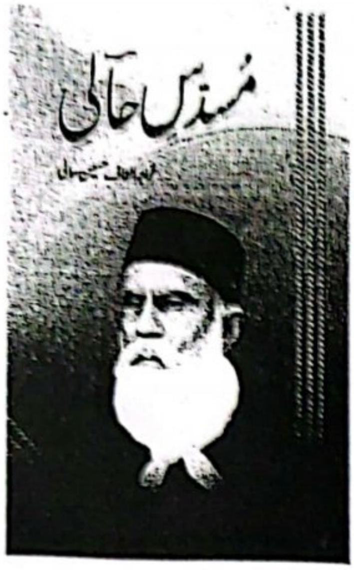

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو مولانا حالی کے بارے میں بتانا کہ ان کی ذات قدیم اور جدید اُردو شاعری کا سنگم ہے۔
۲۔ طلبہ کو مولانا حالی کی قومی شاعری بالخصوص "مسدّس مدّ و جزرِ اسلام" سے آگاہ کرنا اور بتانا کہ "مسدّسِ حالی" ایک طویل نظم ہے، جو بشمول ضمیمہ ۲۲۹ بندوں پر مشتمل ہے۔
۳۔ طلبہ کو مسدّسِ حالی کی تصنیف کے ضمن میں سر سیّد احمد خاں کے جذبات سے آگاہ کرنا۔
۴۔ طلبہ کو اصنافِ نظم بالخصوص قصیدہ، غزل، مرثیہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، مخمس اور مسدّس سے متعارف کرانا۔
۵۔ طلبہ کو ذو معنی الفاظ کے بارے میں آگاہ کرنا۔

مَشقّت کی ذِلّت جنھوں نے اُٹھائی
جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی
فضیلت، نہ عزّت، نہ فرماں روائی
نہال اِس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اُوپر چڑھے ہیں

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی
خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جن کی
اگر جیتے جی، کچھ نہ ان کی خبر لی
تو ہو جائیں گے مِل کے مٹی میں مٹی
یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی
مَبادا تلف ہو ودیعت خدا کی

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا
تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اُٹھانا
ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا
زمانہ اگر ہم سے زور آزما ہے
تو وقت اے عزیزو! یہی زور کا ہے

بشر کو ہے لازم کہ ہمّت نہ ہارے
جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سِوا چھوڑ دے سب سہارے
کہ ہیں عارضی زور، کمزور سارے
اَڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو تم آپ ہانکو

تُمھیں اپنی مشکل کو آساں کرو گے
تُمھیں درد کا اپنے درماں کرو گے
تُمھیں اپنی منزل کا ساماں کرو گے
کرو گے تُمھیں کچھ اگر یاں کرو گے
چھپا دستِ ہمّت میں زورِ قضا ہے
مثَل ہے کہ ہمّت کا حامی خدا ہے

(مدوجزرِ اسلام)

● ●

Scanned with CamScanner

مشق

(۱) نظم "محنت کی برکات" کے متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

(الف) نہال اس __________ میں جتنے بڑھے ہیں

(ب) یہ جوہر ہیں ہم میں __________ خدا کی

(ج) __________ تلف ہو ودیعت خدا کی

(د) بشر کو ہے لازم کہ __________ نہ ہارے

(ہ) مَثل ہے کہ ہمّت کا __________ خدا ہے

(۲) نظم "محنت کی برکات" کے متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) انسان کو فضیلت، عزّت اور فرماں روائی کب ملتی ہے؟

(ب) اگر مخفی جوہر کی خبر نہ لی تو کیا ہونے کا امکان ہے؟

(ج) اگر دُور کا سفر درپیش ہو تو گھُڑ سوار پر کیا لازم آتا ہے؟

(د) بشر کے لیے سب سے بڑا سہارا کس کا ہے؟

(ہ) ہمّت کا حامی کون ہے؟

(۳) درج ذیل محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

خبر لینا	مٹی ہو جانا	ہاتھ آنا	زور آزمانا	ہمّت ہارنا	سامان کرنا	دائیں بائیں جھانکنا

(۴) درج ذیل الفاظ کا دُرست تلفُّظ اِعراب لگا کر واضح کریں۔

مشقت	ودیعت	مبادا	تلف	ہمت	درماں

وہ الفاظ جن کے دو یا دو سے زیادہ معنی ہوں، ذُو معنی یا ذُو معنیین الفاظ کہلاتے ہیں۔ ایسے بعض الفاظ ایک معنوں میں مذکر ہوتے ہیں تو دوسرے معنوں میں مونث۔ بعض اوقات دونوں معنوں میں مذکر یا مونث۔ بہر کیف ذو معنی الفاظ کے استعمال کے ضمن میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے کسوٹی اہلِ زبان کی گفت گو (تحریر و تقریر) ہی ہے۔ چند ایک ذُو معنی الفاظ اور اُن کے معنی درج ذیل ہیں:

الفاظ	ایک معنی	دوسرے معنی
آب	پانی	چمک دمک
اُردُو	زبان	لشکر، لشکر گاہ
اوقات	وقت کی جمع	حیثیت
بار	بوجھ	باری
باز	ایک شکاری پرندہ	دوبارہ، کھلا ہوا
بیت	گھر	شعر
تاک	تاک جھانک	انگور کی بیل
تکرار	جھگڑا	بار بار دہرانا

الفاظ	ایک معنی	دوسرے معنی
تکیہ	سرھانہ	بھروسا
طاق	محراب	ہندسہ جو دو پر تقسیم نہ ہو
ظرف	برتن	حوصلہ
عرصہ	مدت	میدان
عرض	گزارش	چوڑائی
فصل	فاصلہ	موسم
قصور	قصر کی جمع، محلات	غلطی
کان	معدنیات نکلنے کی جگہ	جسم کا حِصّہ

۵ درج ذیل ذو معنی الفاظ کے معنی لکھیں۔

جست	غریب	کل	مانگ	لہر
سنگ	کف	لگن	مالٹا	محل

اصنافِ نظم

اصنافِ نظم بہت سی ہیں جن میں سے کچھ کا بیان "حمد" میں آ چکا ہے، کچھ کی وضاحت یہاں بیان کی جاتی ہے۔

قصیدہ:

قصیدہ عربی کے لفظ "قصد" سے بنا ہے جس کے لغوی معنی "قصد (ارادہ) کرنا" کے ہیں جس سے ثابت ہے کہ یہ وہ صنفِ نظم ہے جو ارادی طور پر وجود میں آتی ہے اور شاعر ارادتاً کسی کی مدح و ستائش کرتا ہے۔ اس ضمن میں وہ بعض اوقات زمین و آسمان کے قُلّابے ملا دیتا ہے۔ قصیدہ بہت پرانی صنفِ نظم ہے اور یہ عربی کے علاوہ فارسی میں بھی وافر ذخیرے کی صورت میں موجود ہے۔ قصیدے اور غزل کی ہیئت ایک ہی ہے۔ وہی مطلع و مقطع اور وہی آغاز سے اختتام تک ردیف اور قافیے کا اہتمام۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی زمانے میں غزل بھی قصیدے ہی کا حصہ ہوتی تھی۔ قصیدے کو عام طور پر چار حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: تشبیب، گریز، مدح اور دعا۔ اُردُو قصیدہ گوئی میں مرزا محمد رفیع سودا اور شیخ ابراہیم ذوق کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

Scanned with CamScanner

غزل: اصنافِ نظم میں غزل اہم ترین صنفِ شاعری ہے۔ اُردو کے شعری ادب میں سب سے زیادہ سرمایہ بھی غزل ہی کا ہے۔ یہ وہ صنف نظم ہے جس میں عشق و محبت کا ذکر ہوتا ہے اور شاعر اپنے فکر و خیال کا اظہار اشارے کنایے کی زبان میں نہایت لطیف پیرائے میں کرتا ہے۔

غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنا کے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب غزال (ملک عرب کا نہایت خوب صورت آہو) کو شکاری کتے دبوچنے کو ہوں تو اس کے مُنھ سے اس وقت جو درد ناک چیخ نکلتی ہے، اسے غزل کہتے ہیں۔ گویا غزل میں عشق و محبت اور سوز و گداز کا نمایاں ہونا ضروری ہے۔ غزل کا دامن بہت وسیع ہے اور اب غزل میں ہر موضوع لایا جانے لگا ہے بلکہ کچھ قدر آور شاعروں مثلاً: علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور فیض احمد فیض وغیرہ نے غزل کا مفہوم ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور غزل میں ہر قسم کے افکار و خیالات اور مشاہدات و تجربات کو پیش کیا جاتا ہے۔

مرثیہ: مرثیہ کے لغوی معنی غم و الم کے انداز میں کسی مرنے والے کا ذکرِ خیر اور اس کے اوصاف بیان کرنے کے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کی نظم "والدہ مرحومہ کی یاد میں" شخصی مرثیہ کی مثال ہے، جس کا آخری شعر ہے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اُردو میں سب سے زیادہ مرثیے شہیدانِ کربلا کے لکھے گئے ہیں۔ اس حوالے سے میر انیس اور مرزا دبیر نے سب سے زیادہ شہرت پائی اور لازوال مرثیے یادگار چھوڑے۔

مثنوی: مثنوی اُردو کی ایک مقبول صنفِ نظم ہے۔ مثنوی میں ہر شعر کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں (ردیف ضروری نہیں) اور تمام شعر ایک دوسرے سے جداگانہ قافیہ اور ردیف رکھتے ہیں۔ مسلسل قافیے کی عدم پابندی کی وجہ سے اس صنف میں لمبے چوڑے تاریخی واقعات اور طویل قصّے کہانیاں سہولت کے ساتھ نظم کیے جا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی اور اُردو میں بعض مثنویاں بڑی طویل ہیں۔ مولانا حالی کے نزدیک مثنوی سب سے کار آمد صنفِ نظم ہے۔ ہمارے قومی شاعر علامہ اقبالؒ نے بھی اسی صنف کو سب سے زیادہ برتا ہے۔ ان کی مثنوی "ساقی نامہ" کا پہلا شعر ہے:

ہُوا خیمہ زن کاروانِ بہار
اِرم بن گیا دامنِ کوہسار

رباعی: رباعی سے مراد ایسی صنف شاعری ہے جس کے کل چار مصرعے ہوتے ہیں لیکن ان چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ بالعموم رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ رباعی میں عام طور پر صوفیانہ جذبات

و خیالات بیان کیے جاتے ہیں۔ رباعی اخلاقی شاعری کی ترجمان بھی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر میر انیس کی ایک حمدیہ رباعی ملاحظہ کریں:

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا جس پھول کو سونگھتا ہوں، بُو تیری ہے

قطعہ: اصطلاحِ شعر میں دو یا دو سے زیادہ شعروں کو، جو موضوع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متعلق ہوں، قطعہ کہتے ہیں۔ قطعہ دو شعروں سے کم کا نہیں ہوتا اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ قطعہ میں بالعموم مطلع نہیں ہوتا۔ کسی قصیدے یا غزل کے مسلسل بیانیہ اشعار کو بھی قطعہ کہتے ہیں۔ زمانۂ حال کے معروف شاعر پروفیسر انور مسعود کا ایک قطعہ ہے:

جو چوٹ بھی لگی ہے وہ پہلی سے بڑھ کے تھی
ہر ضربِ کرب ناک پہ مَیں تِلملا اٹھا
پانی، سوئی گیس کا، بجلی کا، فون کا
بِل اتنے بِل گئے ہیں کہ مَیں بِلبلا اُٹھا

مخمس: اصطلاح میں مخمس ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہو۔ اس صنف کو بہت سے شاعروں نے برتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی نظمیں: "برسات کی بہاریں"، "آدمی نامہ" اور "مُفلسی" وغیرہ مخمس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ "برسات کی بہاریں" کا ایک بند ہے:

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھَم جھماوٹ، قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مُسدّس: اصطلاحِ شعر میں مُسدّس سے مراد ایسی نظم ہے جس کا ہر بند چھے مصرعوں پر مشتمل ہو۔ اس صنف کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں جب کہ پانچواں اور چھٹا مصرع الگ قافیے کے حامل ہوتے ہیں۔ اُردو کے تمام بڑے بڑے شاعروں نے اس صنف کو برتا ہے۔ علّامہ اقبالؒ کی معروف نظمیں: "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" اسی ہیئت میں ہیں اور مولانا حالی کی معروف نظم "مُسدّس مدّوجزرِ اسلام" جس کا اقتباس شاملِ کتاب ہے، اسی ہیئت میں ہے۔

Scanned with CamScanner

(۶) شاملِ کتاب نظم "محنت کی برکات" صنف کے اعتبار سے کیا کہلائے گی؟

(۷) نظم "محنت کی برکات" کا مرکزی خیال لکھیں جو تین چار سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

(۸) درج ذیل پیراگراف توجہ سے پڑھیں اور آخر میں دیے گئے سوالوں کے جواب تحریر کریں۔

جانوروں کا تحفظ ہمارے ماحولیاتی نظام کی بقا اور تنوّع کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ زمین پر موجود ہر جانور کا قدرتی ماحول اور ماحولیاتی توازن میں ایک مخصوص کردار ہوتا ہے، اور اگر کسی نوع کی تعداد کم ہو جائے یا وہ معدوم ہو جائے تو اس کے اثرات پورے نظام پر پڑ سکتے ہیں۔ انسانی سرگرمیوں جیسا کہ جنگلات کی کٹائی، غیر قانونی شکار اور ماحولیاتی آلودگی نے بہت سے جانوروں کی نسلوں کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ جانوروں کے تحفظ کے اقدامات کے ذریعے ہم نہ صرف ان انواع کو بچا سکتے ہیں بلکہ مستقبل کی نسلوں کے لیے ایک متوازن اور پائیدار ماحول بھی فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قدرت کے ان قیمتی اثاثوں کی حفاظت کریں اور ان کے لیے محفوظ مقامات اور قوانین کو مضبوط بنائیں تاکہ وہ قدرتی ماحول میں آزادانہ زندگی گزار سکیں۔

سوالات: (الف) جانوروں کا تحفظ ہمارے ماحول کے لیے کیوں ضروری ہے؟

(ب) وہ کون سی انسانی سرگرمیاں ہیں، جو جانوروں کو خطرے سے دوچار کر سکتی ہیں؟

(ج) جانوروں کی نایاب انواع و اقسام کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے؟

(د) عبارت کا موزوں عنوان تجویز کریں۔

سرگرمی:

- طلبہ کسی ذریعے سے "مُسدّسِ مدّوجزرِ اسلام" حاصل کریں اور اس طویل نظم میں سے شاملِ کتاب پانچ بند تلاش کریں اور اس موضوع پر دو بند مزید شامل کر کے انھیں ٹیوٹوریل گروپ میں پیش کریں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ کسی ذریعے سے "کلیاتِ حالیؔ" حاصل کریں اور اس میں مولانا کی دو نظموں "حُبِّ وطن" اور "برکھا رُت" کے ابتدائی اشعار طلبہ کو سنائیں تاکہ مولانا حالیؔ کا اسلوبِ بیان ان کے ذہن نشین ہو۔

۲۔ اساتذہ طلبہ سے مُسدّسِ حالیؔ کا کوئی ایک بند زبانی سنیں۔ اگر وہ نہ سنا سکیں تو انھیں مُسدّسِ حالیؔ کا وہ بند سنائیں جس کا پہلا مصرع ہے: "وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا" اور طلبہ سے اس بند کے مصرعوں کی تعداد پوچھنے کے بعد اس بند کے قافیے اور ردیف کے بارے میں بھی پوچھیں۔

Scanned with CamScanner

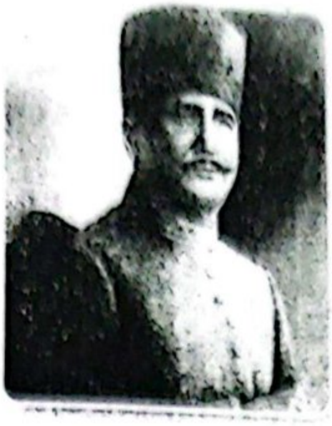

علامہ محمد اقبالؒ

(۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء)

علامہ اقبالؒ سیال کوٹ میں، جو سرزمین پنجاب کا ہمیشہ سے ہی ایک مردم خیز خطہ رہا ہے، پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی شیخ نور محمد بڑے پرہیزگار اور عبادت گزار شخص تھے اور اُن کی والدہ محترمہ امام بی بی بھی بڑی خلیق، نیک سیرت اور زاہدہ و عابدہ خاتون تھیں جن کا زیادہ وقت یا تو بچیوں کو تعلیم دینے یا پھر عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ نیکوکار والدین سے تربیت پانے کے ساتھ ساتھ ابتدائی تعلیم سیّد میر حسن کی معروف درس گاہ سے حاصل کی۔ علامہ اقبال اپنے مقام و مرتبہ کو ہمیشہ انھی کا فیض و ثمر سمجھتے تھے۔

علامہ اقبال نے ایف اے مرے کالج سیال کوٹ جب کہ بی اے اور ایم اے (فلسفہ) کے امتحانات گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ پڑھانے کے لیے انھیں نامور فلسفہ دان پروفیسر تھامس آرنلڈ مل گئے جنھوں نے فلسفہ کے ساتھ اُن کا فطری میلان دیکھ کر اس قدرتی جوہر کو اور بھی چمکا دیا۔ پروفیسر تھامس آرنلڈ اپنے احباب میں اقبال کی تعریف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: "ایسا شاگرد استاد کو محقّق اور محقّق کو محقق تر بنا دیتا ہے۔"

بعد ازاں اقبال ۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۰۸ء تک یورپ میں مقیم رہے جہاں انھوں نے لندن سے بار ایٹ لا اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

وطن واپس آکر آپ لاہور ہائی کورٹ میں وکالت بھی کرتے رہے مگر آپ کا اصل میدان شاعری تھا۔ "انجمن حمایتِ اسلام" کے جلسوں میں علامہ اقبالؒ کے نام سے رونق آجاتی تھی۔ آپ مسلمانوں کے زوال پر بے حد غم ناک اور انھیں دوبارہ بامِ عروج پر دیکھنے کے آرزومند تھے۔ چناں چہ انھوں نے اِسی بنا پر اپنی شاعری کے ذریعے خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار اور انھیں ساحلِ امید و یقین کی طرف رواں دواں کیا اور مسلمان نوجوانوں میں مردِ مومن اور شاہین جیسی اصطلاحات اور علامات کے ذریعے نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ انھوں نے نہ صرف تصوّرِ پاکستان پیش کیا بلکہ اس سلسلے میں قائدِ اعظمؒ کو بہت مفید عملی مشورے بھی دیے۔

شاملِ کتاب نظم "جاوید کے نام" ہرچند انھوں نے اپنے بیٹے جاوید اقبال کو مخاطب ہو کر کہی ہے لیکن دراصل اس نظم میں وہ ہر مسلم نوجوان سے مخاطب ہیں۔

"بانگِ درا"، "بالِ جبریل"، "ضربِ کلیم" اور "ارمغانِ حجاز" (نصف حصّہ) اُن کے اُردو شعری مجموعوں کے نام ہیں جو "کلیاتِ اقبالؒ" کی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

Scanned with CamScanner

سبق: ۱۳

جاوید کے نام

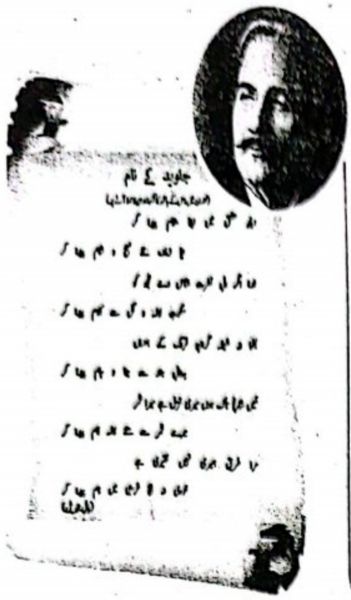

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ جب دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے علامہ اقبالؒ لندن گئے ہوئے تھے تو ان کے فرزند جاوید اقبال نے، جو ان دنوں کم سن تھے، علامہ اقبالؒ کو پہلا خط لکھا اور گراموفون لانے کی فرمائش کی۔ علامہ اقبالؒ بیٹے کے لیے گراموفون تو نہ لاسکے مگر جاوید کے نام منسوب کر کے عالمِ اسلام کے نوجوانوں پر نظم لکھ لائے جس میں خودی کا پیغام ہے۔

۲۔ طلبہ کو علامہ اقبالؒ کے اُردو مجموعوں بالخصوص "بانگِ درا" کے بارے میں بتانا کہ اس مجموعے میں انھوں نے بہت سی نظمیں صرف بچّوں کے لیے لکھی ہیں اور ہر نظم میں ایک سبق پوشیدہ ہے۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گُل سے کلام پیدا کر

اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سِفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

مَیں شاخِ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر
مِرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

(بالِ جبریل)

مشق

(۱) نظم "جاوید کے نام" متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

(الف) خدا اگر ________ فطرت شناس دے تجھ کو

(ب) سکوتِ لالہ و گل سے ________ پیدا کر

(ج) سفالِ ہند سے ________ پیدا کر

(د) مرا طریق امیری نہیں ________ ہے

(ہ) میں ________ ہوں میری غزل ہے میرا ثمر

(۲) نظم "جاوید کے نام" کے متن کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) "نئے صبح و شام" پیدا کرنے سے علامہ اقبالؒ کی کیا مراد ہے؟

(ب) سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کرنے سے علامہ اقبالؒ کیا مفہوم مراد لیتے ہیں؟

(ج) شاخِ تاک کیا ہے اور اس ثمر سے علامہ اقبالؒ کیا پیدا کرنا چاہتے ہیں؟

(د) سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کرنے سے علامہ اقبالؒ کی کیا مراد ہے؟

(ہ) علامہ اقبالؒ نے اپنے طریق کو فقیری کیوں کہا ہے؟

(۳) اِعراب لگا کر دُرست تلفّظ واضح کریں۔

صبح و شام	دل فطرت شناس	شاخ تاک	سفالِ ہند	مینا و جام	شیشہ گرانِ فرنگ	

خط نگاری

خط ایک تحریری ملاقات ہے اس لیے خط کو "نصف ملاقات" بھی کہتے ہیں۔ خط لکھتے وقت درج ذیل امور کو پیشِ نظر رکھیں:

- خط کے آغاز میں پیشانی پر تسمیہ (بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ) لکھیں۔
- خط لکھتے وقت یوں سمجھیں کہ آپ جسے خط لکھ رہے ہیں، وہ آپ کے رُوبرو بیٹھا ہے اور اس کے بڑے چھوٹے ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے بات کریں۔

- آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں الفاظ کی بچت کرتے ہوئے مختصر طور پر لکھیں اور صرف مطلب کی باتیں لکھیں تا کہ پڑھنے والے کا وقت ضائع نہ ہو۔
- خط میں مقامِ روانگی، تاریخ، القاب و آداب اور نفسِ مضمون ملحوظ رکھتے ہوئے خط کا اختتام کیا جاتا ہے۔

۴) ان ہدایات کی روشنی میں دوست کے نام گرمیوں کی چھٹیاں اپنے یہاں گزارنے کی دعوت کے حوالے سے ایک خط لکھیں۔

۵) کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ سے ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
دل	فرنگ
سکوت	ہند
شیشہ گران	تاک
سفال	فطرت شناس
شاخ	لالہ فام
مئے	غریبی
فقیری	لالہ و گُل

سرگرمیاں:

- "بالِ جبریل" میں "جاوید کے نام" ہی سے ایک اور نظم بھی موجود ہے۔ طلبہ اس نظم کو اپنی کاپی میں لکھیں اور شاملِ کتاب نظم سے اس کا موازنہ کریں۔
- شاملِ کتاب نظم بہ عنوان "جاوید کے نام" کو تمام طلبہ چارٹ کی صورت میں خوش خط لکھیں۔ جس کا چارٹ اوّل آئے، اُسے جماعت کے کمرے میں نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو نظم "جاوید کے نام" کے قوافی اور ردیف کی نشان دہی کرائیں۔
۲۔ اساتذہ "بالِ جبریل" میں موجود نظم "ایک نوجوان کے نام" بھی کلاس میں پڑھ کر سنائیں اور طلبہ کو آگاہ کریں کہ اس نظم میں بھی نوجوانوں کو خودی کا درس دیا گیا ہے۔
۳۔ اساتذہ علامہ اقبالؒ کے اسلوبِ بیان پر روشنی ڈالتے ہوئے بتائیں کہ علامہ اقبالؒ کو ملّتِ اسلامیہ کے نوجوانوں سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

Scanned with CamScanner

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

(۱۶۸۹ء - ۱۷۵۲ء)

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کا شمار سندھ کی بزرگ ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ سرزمینِ سندھ میں اپنے کردار و گفتار اور حسنِ عمل سے ایک دنیا کی فکری و روحانی تربیت اور فیوض و برکات کا باعث بنے اور اپنے سندھی کلام سے سندھ کو محبت، امن، رواداری اور بھائی چارے کا گہوارہ بنانے کی تعلیم دی۔ آپؒ کا آباد کردہ ریت کا ٹیلا "بھٹ" دنیا بھر میں بھٹ شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ کی سندھی شاعری کا مجموعہ "شاہ جو رسالو" کے نام سے شائع ہوا جس کا منظوم اردو ترجمہ شیخ ایاز نے کیا۔ شاملِ کتاب اقتباس "شاہ جو رسالو" کے ایک حصے سے مستعار چند اشعار کا منظوم اُردو ترجمہ ہے۔

شیخ ایاز (مترجم)

(۱۹۲۳ء-۱۹۹۷ء)

شیخ ایاز، جن کا پورا نام شیخ مبارک علی ہے، کی جائے ولادت صوبہ سندھ کا شہر شکارپور ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام شیخ غلام حسین تھا جنھیں سندھی، فارسی اور اردو زبانوں کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے گھر میں اُس زمانے کے معروف رسائل: "ہمایوں"، "ادبی دنیا" اور "نیرنگِ خیال" وغیرہ باقاعدگی سے آتے تھے۔

شیخ ایاز نے میٹرک تک کی تعلیم اپنے آبائی شہر شکارپور ہی میں حاصل کی۔ اس کے بعد وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کراچی چلے گئے لیکن ناسازگار حالات کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکے اور شکارپور لوٹ آئے مگر حالات سازگار ہوتے ہی از سرِ نو حصولِ تعلیم کا ناتا جوڑا اور کراچی سے بی اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں اور کراچی ہی میں پریکٹس شروع کر دی مگر بعد میں ترکِ سکونت کر کے سکھر آ گئے اور تادمِ واپسیں پریکٹس بھی وہیں کرتے رہے۔

آپ کا پہلا ادبی کارنامہ شکارپور سے ادبی رسالے "آگی قدم" کا اجرا تھا۔ شیخ ایاز کو اُن کی ادبی خدمات کی بنا پر حکومتِ پاکستان کی طرف سے "ہلالِ امتیاز" کا اعزاز دیا گیا۔ آپ نے کراچی میں وفات پائی مگر آپ کو شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ساتھ بے پناہ عقیدت کی بنا پر اُن کے مزار کے نزدیک ہی سپردِ خاک کیا گیا۔

شیخ ایاز کا شمار جدید سندھی ادب کے بانیوں میں کیا جاتا ہے۔ آپ کو مزاحمتی ادیب، ترقی پسند شاعر اور سندھی صوفی بزرگ شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے منظوم مترجم کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔

سبق: ۱۴

پیامِ لطیفؒ

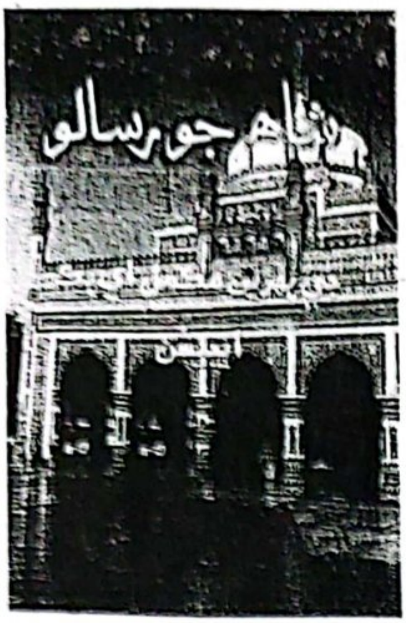

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو آگاہ کرنا کہ اُردو زبان کے علاوہ دیگر پاکستانی زبانوں: پشتو، پنجابی، سندھی، سرائیکی اور بلوچی میں بھی صدیوں سے صوفیانہ رنگ کی شاعری کو پسند کیا جاتا ہے۔

۲۔ طلبہ کو منظوم تراجم کی روایت سے آگاہ کرنا۔

۳۔ طلبہ کو شیخ ایاز کی شاعرانہ خدمات بالخصوص شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام "شاہ جو رسالو" کے منظوم اُردو ترجمے سے آگاہ کرنا۔

۴۔ طلبہ کو علمِ بدیع کی صنعتوں: صنعتِ تلمیح، صنعتِ تکرار، صنعتِ تضاد کے بارے میں بتانا اور تلخیص نگاری کے اُصولوں سے آگاہ کرنا۔

تیری ہی ذات اوّل و آخر — تُو ہی قائم ہے اور تُو ہی قدیم
تجھ سے وابستہ ہر تمنا ہے — تیرا ہی آسرا ہے، ربِّ کریم
کم ہے جتنی کریں تیری توصیف — تُو ہی اعلیٰ ہے اور تُو ہی علیم
والیِ شش جہات، واحد ذات — رازقِ کائنات، ربِّ رحیم

ایمانِ کامل کے ساتھ جس نے بھی — دل سے مانا، زبان سے جانا
جِس کی خاطر بنی ہے یہ دُنیا — اس محمدؐ کا مرتبہ جانا
فوقیت اُس کو دوسروں پہ ملی — اپنی ہستی کو اُس نے پہچانا
جِس نے اُس قادرِ حقیقی کو — وحدہٗ لاشریک ہے جانا

سنگ ریزوں سے بھر لیا دامن — گوہرِ بے بہا کو چھوڑ دیا
موجِ طوفانِ معصیت نے آہ! — میری کشتی کے رُخ کو موڑ دیا
ہائے وہ عہد جس کو اے مالک! — اپنی غفلت سے مَیں نے توڑ دیا

("شاہ جو رسالو"، منظوم اُردو ترجمہ: شیخ ایاز)

مشق

(۱) نظم "پیامِ لطیف" کے متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

(الف) تیری ہی ذات ____________

(ب) ____________ ، ربِّ رحیم

(ج) تیرا ہی آسرا ہے ____________

(د) ____________ کے ساتھ جس نے بھی

(ہ) جس نے اُس ____________ کو

(۲) نظم "پیامِ لطیف" کے متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) شاعر نے کس کا آسرا ڈھونڈا ہے؟

(ب) شاعر کے نزدیک دوسروں پر فوقیت کس کو ملتی ہے؟

(ج) شاعر نے "تُو ہی اعلیٰ ہے اور تُو ہی علیم" کسے کہا ہے؟

(د) "شش جہات" سے کون کون سی جہت مراد ہے؟

(ہ) شاعر نے گوہرِ بے بہا کو چھوڑ کر کس چیز سے اپنا دامن بھر لیا ہے؟

(و) شاعر کی کشتی کے رُخ کو کس چیز نے موڑ دیا ہے؟

(۳) کالم (الف) کو کالم (ب) کے ساتھ اس طرح ملائیں کہ نظم "پیامِ لطیف" کے مصرعے مکمل ہو جائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
تیرا ہی آسرا ہے	اور تُو ہی علیم
تُو ہی اعلیٰ ہے	دوسروں پہ ملی
فوقیت اس کو	ربِّ کریم
رازقِ کائنات	بھر لیا دامن
سنگ ریزوں سے	میں نے توڑ دیا
اپنی غفلت سے	ربِّ رحیم

(۴) نظم "پیامِ لطیف" کے درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ اُن کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

آسرا	تمنّا	توصیف	رازق
دُنیا	کشتی	عہد	موج

علم بدیع

بدیع کے لغوی معنی تو انوکھا، نادر یا نئی چیز کے ہیں لیکن اُردو ادب کی اصطلاح میں علم بدیع اُس علم کو کہتے ہیں جس سے تحسین و تزئینِ کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ علم بدیع کی دو قسمیں ہیں: صنائع لفظی اور صنائع معنوی، یعنی لفظوں اور معنوں کے لحاظ سے نِکات اور باریکیاں بیان کرنا۔ صنائع لفظی و معنوی کا بیان بڑا تفصیل طلب ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے معنوی لحاظ سے یہاں صرف تین اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔

صنعتِ تلمیح: تلمیح کے لغوی معنی ہیں: اشارہ کرنا۔ ادب کی اصطلاح میں کلام میں کسی مشہور قصّے، واقعے، شخصیت، جگہ، داستان یا روایت کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی ۔۔۔ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

اس شعر میں "ابنِ مریم" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے جو مُردوں کو بحکمِ ربّی زندہ کر دیا کرتے تھے۔

صنعتِ تکرار: تکرار کے لغوی معنی ہیں: بار بار دہرانا لیکن اصطلاح میں صنعت تکرار ایسی صنعت کو کہتے ہیں جہاں مصرعوں یا شعروں میں ایک لفظ کو دو بار یا دو سے زیادہ بار دہرایا جائے۔ جیسے: کیسے کیسے، کہاں کہاں، رفتہ رفتہ وغیرہ۔ مثلاً یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

پتّا پتّا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

صنعتِ تضاد: علمِ بدیع کی اصطلاح میں کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو ایک دوسرے کے متضاد یا اُلٹ ہوں۔ مثال کے طور پر ہنسنا اور رونا، سیاہ اور سفید، امید و ناامیدی، رنج اور خوشی، مقدّم اور مؤخّر، زمین اور آسمان وغیرہ۔ مثلاً یہ شعر:

ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے ۔۔۔ اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

اس شعر میں "بادشاہی اور گدائی" کے الفاظ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔

(۵) درج ذیل اشعار میں نشان دہی کریں کہ صنعتِ تلمیح، صنعتِ تکرار یا صنعتِ تضاد میں سے کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے۔

- مری قدر کر اے زمینِ سخن ۔۔۔ تجھے بات میں آسماں کر دیا
- کیا ضرور ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب ۔۔۔ آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
- دہن پر ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے ۔۔۔ کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

تلخیص نگاری سے مراد کسی اقتباس یا عبارت کا خلاصہ اس طرح بیان کرنا ہے کہ اُس کا اختصار تقریباً جامع الفاظ میں ظاہر ہو جائے۔ تلخیص کرتے وقت درج ذیل امور کا دھیان رکھنا ضروری ہے:

- تلخیص اصل جملے یا اقتباس کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔
- تلخیص میں مترادف الفاظ کا استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ جامع قسم کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔
- تلخیص میں تشبیہ یا مثال نہیں دیا کرتے۔
- اگر تلخیص میں ایک یا دو اسم معرفہ قبیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو وہ تلخیص میں ضرور آجائیں گے۔
- تلخیص کا عمل تشریح کے عمل کا متضاد ہوتا ہے یعنی کم از کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم ادا کیا جاتا ہے۔

مثلاً ذیل کے دو جملوں کی تلخیص کچھ یوں ہوگی:

میں نے آج یکم اکتوبر بروز جمعرات سکول میں اُردو کے مضمون کا ٹیسٹ دیا۔

- میں نے آج سکول میں اُردو کا ٹیسٹ دیا۔

گزشتہ دنوں اتوار کے روز ہم سب بہنوں بھائیوں نے اپنے والدین کے ہم راہ چڑیا گھر دیکھا۔

- اتوار کو ہم نے چڑیا گھر دیکھا۔

۲۔ درج ذیل جملوں کی تلخیص کریں۔

(الف) جنابِ عالی! میں آپ کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

(ب) ہم نے احمد سے زیادہ عدل وانصاف، جرأت وہمّت، لطف وکرم اور جود وسخا کا حامل شخص نہیں دیکھا۔

سرگرمیاں:

- تمام طلبہ اپنے استاد کی راہ نمائی میں یا انٹرنیٹ سے سندھ کے صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بارے میں معلومات کو چارٹ پر لکھیں۔ جس کا چارٹ اوّل آئے، اُسے جماعت کے کمرے میں آویزاں کیا جائے۔
- نظم "پیامِ لطیف" میں جو پیام بیان ہوا ہے، اُسے طلبہ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ جب ایک زبان کی تحریر کا دوسری زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو دونوں زبانوں کے مزاج کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ اساتذہ طلبہ کو شاہ عبداللطیف بھٹائی کے مزار کی کوئی واضح سی تصویر یا مووی دکھائیں اور ان سے استفسار کریں کہ انھوں نے اس تصویر یا مووی سے کیا اخذ کیا؟

۳۔ اساتذہ طلبہ کو شیخ ایاز کا کوئی اور منظوم اقتباس پڑھ کر سنائیں اور اس کے بارے میں گفت گو کریں۔

Scanned with CamScanner

دلاور فگار

(۱۹۲۹ء-۱۹۹۸ء)

اصل نام دلاور حسین اور فگار تخلص کرتے تھے۔ جائے ولادت بدایوں (یوپی، انڈیا) ہے جہاں اُن کے والدِ گرامی شاکر حسین ایک مقامی سکول میں استاد تھے۔ شعر کہنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ ابتدا میں "شباب" تخلص کرتے تھے۔ والد کی ناگہانی وفات کے بعد بسلسلۂ روزگار محکمہ ڈاک میں ملازمت اختیار کر لی لیکن اس کے باوجود اپنی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیا اور بی اے کرنے کے بعد تدریس و تعلیم کے پیشے سے منسلک ہوگئے۔ اسی دوران میں آگرہ یونیورسٹی سے اردو اور معاشیات کے مضامین میں ایم اے کے امتحانات پاس کر لیے اور بدایوں کو خیر باد کہ کر کراچی چلے آئے اور پھر اسی شہر کو اپنا مسکن بنالیا۔ بعد ازاں کچھ عرصہ تک "کراچی ڈیویلپمنٹ اتھارٹی (کے ڈی اے)" میں بھی ملازمت کی۔

دلاور فگار فطری طور پر موزوں طبع واقع ہوئے تھے۔ ابتدا میں سنجیدہ شاعری کرتے تھے جس کا مجموعہ "حادثے" کے عنوان سے شائع ہوا۔ انھی دنوں ایک دوست کو کچھ مزاحیہ نظمیں لکھ کر دینا شروع کیں تو ان نظموں کو بڑا پسند کیا گیا۔ جب دوستوں کو معلوم ہوا کہ ان نظموں کے خالق دلاور فگار ہیں تو دوستوں نے کہا کہ آپ کا میلانِ طبع تو مزاح کی طرف ہے اور مزاحیہ نظمیں کہنے کے لیے اصرار کیا تو مزاحیہ رنگ میں کہنے لگے اور اَن گنت نظمیں کہ ڈالیں۔

دلاور فگار کے شعری مجموعوں میں "انگلیاں فگار اپنی"، "ستم ظریفیاں"، "شامتِ اعمال"، "آداب عرض"، "مطلع عرض ہے"، "خدا جھوٹ نہ بلوائے"، "چراغِ خنداں" اور "کہا سنا معاف" شامل ہیں۔ یہ سب مجموعے "کلیاتِ فگار" کی شکل میں بھی چھپ گئے ہیں۔

دلاور فگار نے معروف امریکی سیاست دان اور امریکہ کے صدر جمی کارٹر کی کتاب: "Why Not the Best?" کا "خوب تر کہاں" کے نام سے اُردُو ترجمہ کیا۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے ان کی علمی و ادبی خدمات کی بنا پر انھیں بعد از وفات تمغائے حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔

دلاور فگار بڑے زُود اور بسیار گو واقع ہوئے تھے اور ایک ہی نشست میں درجنوں شعر کہ دیتے تھے اور ہر بار نئے موضوع پر کہتے تھے۔ دلاور فگار کو ان کی مزاحیہ شاعری اور ان کے ظریفانہ رویوں کی بنا پر "شہنشاہِ ظرافت" اور "اکبر ثانی" کے القابات سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

شاملِ کتاب نظم "کرکٹ اور مشاعرہ" میں شاعر نے حقیقتِ حال بیان کرتے ہوئے مزاحیہ دل آویز انداز میں کرکٹ کے کھیل کا موازنہ مشاعرے کے ساتھ کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

کرکٹ اور مشاعرہ

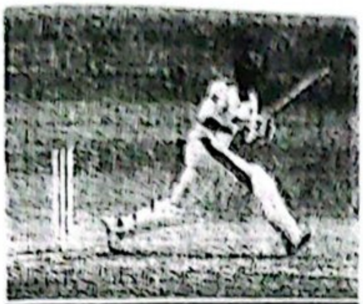

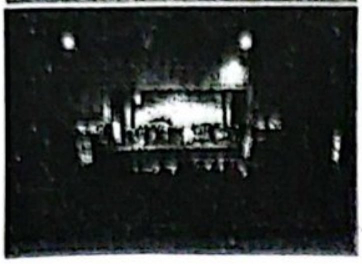

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو اردو کی ظریفانہ شاعری کی روایت سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو بتانا کہ طنزیہ و مزاحیہ شاعری دراصل زندگی کے ناہموار رویّوں کا بیان ہے۔
۳۔ طلبہ کو دلاور فگار کے کلام کی شعری خصوصیات سے آگاہ کرنا۔
۴۔ طلبہ کو بتانا کہ اردو نظم و نثر میں دوسری زبانوں کے عام فہم الفاظ کا استعمال بالکل درست ہے۔
۵۔ طلبہ میں شعری شعور اور حسِ مزاح بیدار کرنا۔
۶۔ طلبہ کو علمِ بیان کی قسموں: مجازِ مرسل اور کنایہ سے آگاہ کرنا اور جملہ کی اقسام: جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کے بارے میں بتانا۔

مشاعرہ کا بھی تفریح ایم[1] ہوتا ہے
مشاعرہ میں بھی کرکٹ کا گیم[2] ہوتا ہے
وہاں جو لوگ کھلاڑی ہیں وہ یہاں شاعر
یہاں جو صدر نشیں ہے وہاں ہے امپائر[3]
وہاں ریاضِ مسلسل سے کام چلتا ہے
یہاں گلے کے سہارے کلام چلتا ہے
وہاں بھی کھیل میں نوبال[4] ہو تو فاؤل[5] ہے
یہاں بھی شعر میں اِہمال ہو تو فاؤل[5] ہے
وہاں ہے ایل بی ڈبلیو[6]، یہاں یہ چکّر ہے
کہ عندلیب مؤنّث ہے یا مُذکّر ہے
وہاں بھی صرف مُقدّر کا کھیل ہوتا ہے
جو اَن لکی ہے یہاں بھی وہ فیل[7] ہوتا ہے
وہاں ہے ایک ہی کپتان پوری ٹیم[8] کی جان
یہاں ہر ایک پلیئر[9] بجائے خود کپتان،

---

[1] Aim [2] Game [3] Empire [4] No ball [5] Foul [6] L.B.W. [7] Fail [8] Team [9] Player

یہاں کچھ ایسے بھی کپتان پائے جاتے ہیں
جو رن[1] بناتے نہیں ہٹ لگائے جاتے ہیں
وہاں جو لوگ اناڑی ہیں وقت کاٹتے ہیں
یہاں بھی کچھ متشاعر دماغ چاٹتے ہیں
ہوا کرے اگر اسکور[2] اس کا زیرو[3] ہے
یہاں جو شخص پھسڈی ہے وہ بھی ہیرو[4] ہے
ادب نواز پہ شاؤٹ[5] یہاں بھی ہوتے ہیں
یہ بدنصیب رن آؤٹ[6] یہاں بھی ہوتے ہیں
مرے خیال کو اہلِ نظر کریں گے کیچ
مشاعرہ بھی ہے اک طرح کا کرکٹ میچ

(خدا جھوٹ نہ بلوائے)

● ●

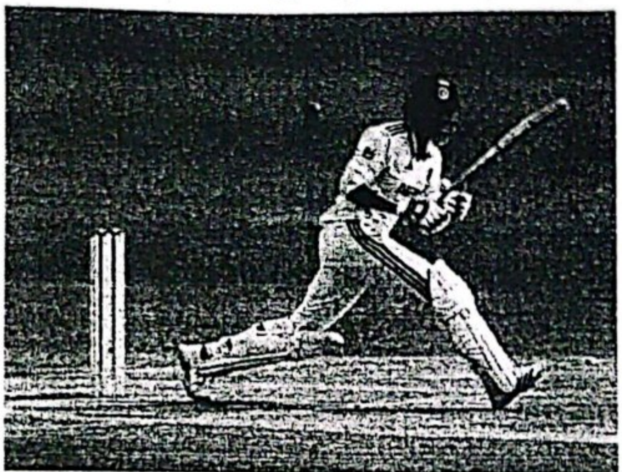

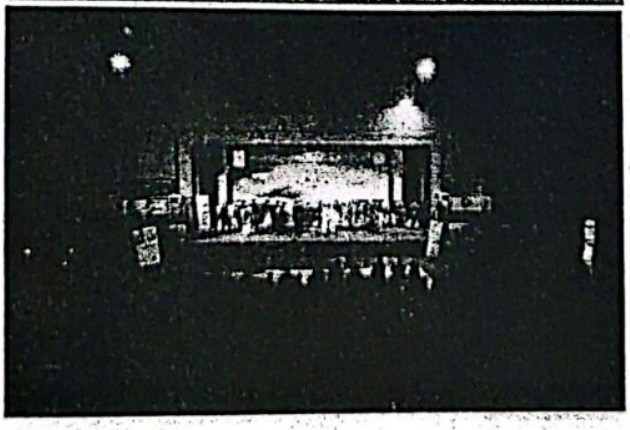

❶Run, ❷Score, ❸Zero, ❹Hero, ❺Shout, ❻Run out

Scanned with CamScanner

مشق

(۱) نظم "کرکٹ اور مشاعرہ" کے متن کے مطابق مصرعے مکمل کریں۔

(الف) مشاعرہ میں بھی کرکٹ کا __________ ہوتا ہے

(ب) یہاں جو __________ ہے وہاں ہے امپائر

(ج) یہاں بھی کچھ __________ دماغ چاٹتے ہیں

(د) یہ بدنصیب __________ یہاں بھی ہوتے ہیں

(ہ) مشاعرہ بھی ہے اِک طرح کا __________

(۲) نظم "کرکٹ اور مشاعرہ" کے متن کو مدنظر رکھتے ہوئے سوالوں کے جواب لکھیں۔

(الف) شاعر نے کرکٹ کو مشاعرے کے مماثل کیوں قرار دیا ہے؟

(ب) کرکٹ میں جو شخص امپائر کہلاتا ہے، مشاعرے میں اسے کس نام سے پکارا جاسکتا ہے؟

(ج) شاعر نے کرکٹ میں ایل بی ڈبلیو ہونے والے کھلاڑی کو مشاعرے میں کس شاعر کے مشابہ قرار دیا ہے؟

(د) شاعر نے کرکٹ کے اناڑی کھلاڑیوں کو مشاعرے کے کن لوگوں کی مانند کہا ہے؟

(ہ) مشاعرے میں رن آؤٹ ہونے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(۳) درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

مشاعرہ	کرکٹ	مقدر	اناڑی	تشاعر	میچ

(۴) درج ذیل الفاظ کا درست تلفّظ اِعراب لگا کر واضح کریں۔

تفریح	عندلیب	مشاعرہ	اہمال	بدنصیب

(۵) درج ذیل تراکیب و محاورات کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

ریاضِ مسلسل	مقدر کا کھیل	وقت کاٹنا	دماغ چاٹنا	اہلِ نظر

Scanned with CamScanner

سبق "ابتدائی حساب" کی مشق میں علمِ بیان کی تعریف اور تشبیہ و استعارہ کا ذکر مکمل ہو چکا ہے۔ یہاں مجازِ مرسل اور کنایہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مجازِ مرسل: ◆ آپ "الحمد" سنائیں (جز سے کُل) ◆ میں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں (کُل سے جز)
◆ ایک گلاس پی لو (ظرف سے مظروف) ◆ پانی لے آؤ (مظروف سے ظرف)

پہلے جملے میں "الحمد" کہ کر پوری سورۂ فاتحہ مراد ہے یعنی جز سے کُل مراد لیا گیا ہے۔ دوسرے جملے میں "میں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں"، چوں کہ کانوں میں انگلی کا کچھ حصّہ ہی جا سکتا ہے، اس لیے کُل کہ کر جز مراد لیا گیا ہے۔ تیسرے جملے میں "گلاس" سے پانی مراد ہے جو گلاس کے اندر موجود ہے یعنی ظرف کہ کر مظروف مراد لیا گیا ہے۔ اِسی طرح چوتھے جملے میں پانی سے مراد وہ برتن ہے جس کے اندر پانی ہے، یعنی مظروف کہ کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔

یہ سب مجازِ مرسل کی صورتیں ہیں۔ اسی طرح مجاز مرسل کی بہت سی صورتیں روز مرہ بول چال میں آتی ہیں۔ گویا مجازِ مرسل کی تعریف یوں ہوئی کہ:

"جب کوئی لفظ حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو تو اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں۔"

(۶) درجِ ذیل مثالوں میں مجازِ مرسل کی نشان دہی کریں۔

(الف) نہر بہ رہی ہے۔

(ب) آسمان سے سونا برس رہا ہے۔

(ج) قلم تلوار سے طاقت ور ہے۔

کنایہ: کنایہ کے معنی ہیں اشارے سے بات کہنا اور کنایہ کی اصطلاحاً تعریف ہے:

"کسی لفظ سے ایسی بات مراد لینا جو اس کے معنوں کو لازم ہو۔ "شترِ بے مہار" کا مفہوم زبان دراز یا بے ہودہ باتیں کرنے والا ہے اور "پیٹ کا ہلکا" کنایہ ہے راز کی بات کہ دینے والے کی طرف۔

"شترِ بے مہار" کے معنی ہیں "وہ اونٹ جس کی نکیل نہ ہو"۔ دوسرے مرکّب کے معنی ہیں: "ہلکے پیٹ والا آدمی" لیکن جب ان کلمات سے ایسے معانی مراد لیے جائیں جو ان کے اصل معنوں کے لیے لازمی یا صفاتی ہیں تو اس لفظ یا کلمے یا مرکّب کو کنایہ کہیں گے۔ جب اونٹ کی نکیل نہ ہو گی تو وہ لازماً بلبلاتا پھرے گا۔ ہلکے پیٹ کی لازمی صفت ہو گی کہ کوئی چیز اس میں نہ ٹھہرے اور وہ راز کی بات جلد اُگل دے۔ کنایہ علمِ بیان کی بہت اچھی صورت ہے جس سے تحریر و تقریر میں لطف پیدا ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

۷ درج ذیل جملوں میں کنایہ کی نشان دہی کریں۔

(الف) مفلسوں اور ناداروں کے لیے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

(ب) بڑھیا کی بیٹی کا کوئی رشتہ نہ آیا اور سر کے بالوں میں چاندی اُتر آئی۔

جملے کی اقسام

جملے کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ذیل میں صرف دو مشہور قسموں کا ذکر کیا جاتا ہے:

- جملہ اسمیہ
- جملہ فعلیہ

جملہ اسمیہ: وہ جملہ ہے جس میں مُسند الیہ اور مُسند دونوں اسم ہوں اور اس کے آخر میں فعل ناقص آئے۔ مثلاً: حمید ذہین ہے۔

اس مثال میں "حمید" اور "ذہین" دونوں اسم ہیں اور "ہے" فعل ناقص ہے۔ چناں چہ یہ جملہ، جملہ اسمیہ ہوا۔

جملہ فعلیہ: وہ جملہ ہے جس میں مُسند الیہ اسم ہو اور مُسند فعل ہو۔ مثلاً: جمیل پڑھتا ہے۔ اس جملے میں "جمیل" اسم ہے اور "پڑھتا ہے" فعل ہے۔ چناں چہ یہ جملہ، جملہ فعلیہ ہوا۔

جملہ فعلیہ کے تین اجزا ہوتے ہیں: فاعل، مفعول اور فعل تام۔ مُسند الیہ کو فاعل، مُسند کو مفعول اور آخر میں آنے والے فعل کو فعلِ تام کہتے ہیں۔ مثلاً: حمید نے سیب کھایا۔ اس مثال میں "حمید" فاعل ہے، "نے" علامتِ فاعل، "سیب" مفعول اور "کھایا" فعل تام ہے۔

جملہ اِسمیہ کی ترکیبِ نحوی	جملہ فعلیہ کی ترکیب نحوی
اسلم گھر پر موجود ہے۔	بچوں نے کتاب میز پر رکھ دی۔
اسلم -- مبتدا یا اسم	بچوں -- فاعل
گھر -- اسمِ مجرور	نے -- علامتِ فاعل
پر -- حرفِ جار	کتاب -- مفعول
موجود -- خبر	میز -- اسمِ مجرور
ہے -- فعل ناقص	پر -- حرفِ جار
•	رکھ دی -- فعل

۸ درج ذیل جملوں کی ترکیبِ نحوی کریں۔

(الف) احمد بہت لائق ہے۔

(ب) کتا بلی کے پیچھے دوڑا۔

Scanned with CamScanner
CamScanner

سرگرمی:

- کوئی بلند آہنگ طالب علم دلاور فگار کی یہ نظم کلاس میں مزاحیہ انداز میں سنائے۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ طلبہ کو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے معاشرے پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں بتایا جائے۔

۲۔ اساتذہ طلبہ کو اس نظم میں آنے والے تمام انگریزی الفاظ کے ہجے (سپیلنگ) بتائیں۔

۳۔ اساتذہ طلبہ کو اُردو کے دو اور مزاحیہ شاعروں: سیّد محمد جعفری اور سیّد ضمیر جعفری کے بارے میں بھی معلومات دیں۔

۴۔ اساتذہ طلبہ کو مزاحیہ شاعروں کے ایسے اشعار سنانے کو کہیں جو زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

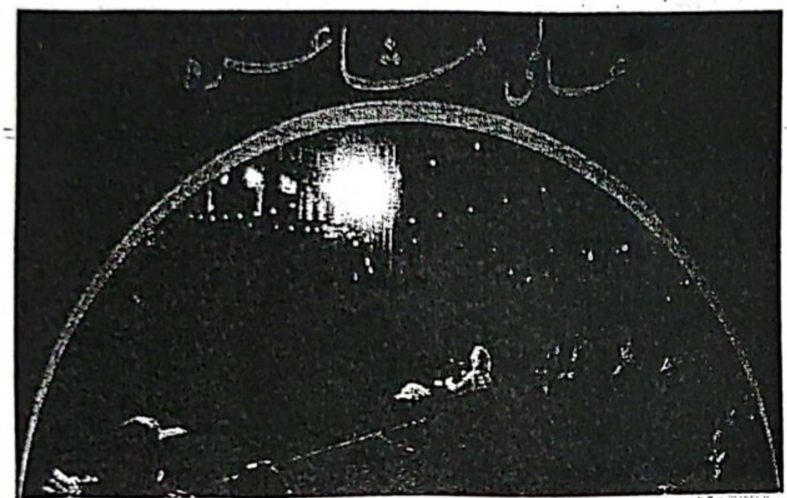

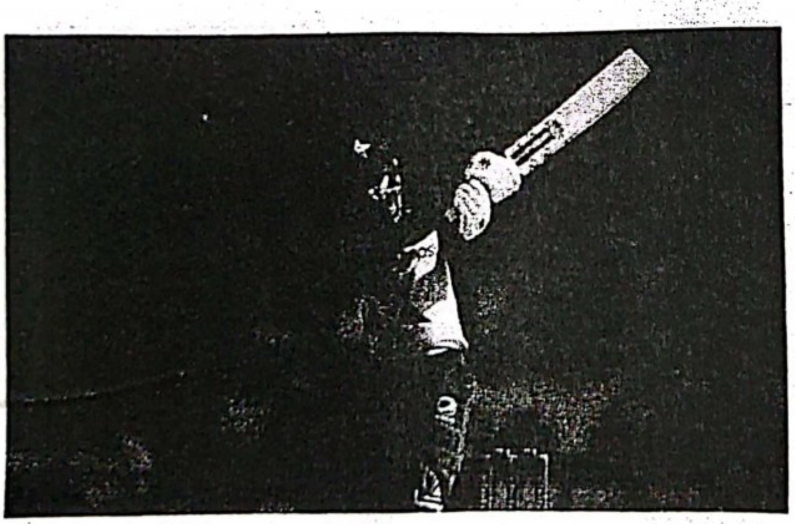

میر تقی میر

(۱۷۲۳ء-۱۸۱۰ء)

اصل نام میر محمد تقی تھا اور میرؔ تخلص کرتے تھے۔ جائے ولادت اکبر آباد (آگرہ، انڈیا) ہے۔ والد گرامی کا نام میر علی متقی تھا جو ایک درویش منش، عاشقِ صالح اور شب بیدار صوفی تھے۔ اگر چہ والد کا سایہ اُس وقت ہی سر سے اُٹھ گیا تھا جب میرؔ کی عمر فقط گیارہ سال تھی مگر اُن کی باتیں عمر بھر دل پر نقش رہیں۔ میر اپنی خود نوشت "ذکرِ میرؔ" میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے بیٹے! عشق اختیار کر کیوں کہ بے عشق زندگی وبال ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے، عشق کا مظہر ہے۔ کائنات کی سب چیزیں عشق میں سرگرداں ہیں۔ دنیا ایک ہنگامے سے زیادہ کچھ نہیں۔ کسی ایسے کا عاشق بن، جس کا یہ دنیا آئینہ ہے۔"

چناں چہ میرؔ کی ساری عمر عشق سے عبارت ہے اور عشق میں درد و غم اور ہجر و فراق سے واسطہ پڑنا ایک لازمی امر ہے۔ والد کے انتقال کے ساتھ ہی میرؔ کی پریشانیوں کا آغاز ہو گیا۔ تلاشِ معاش کی فکر انھیں آگرے سے دِلّی لے آئی۔ پہلے ایک نواب کے یہاں ملازم ہوئے، پھر اپنے ماموں سراج الدّین خان آرزو کے زیرِ دست رہے اور اُن کی بد سلوکی سے دل برداشتہ ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب نادر شاہ، احمد شاہ ابدالی، مرہٹوں اور سکھوں کے تابڑ توڑ حملوں نے دلّی کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا اور لوگ ترکِ سکونت اور ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، چناں چہ میر تقی میرؔ بھی عاجز آ کر ساٹھ سال کی عمر میں لکھنؤ چلے گئے اور زندگی کے باقی ایام وہیں گزار کر راہیِ مُلکِ عدم ہوئے۔ چناں چہ ان حالات کے زیرِ اثر میرؔ کا کلام بھی درد و سوز سے لبریز ہے۔

میرؔ کو غزل کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ انھوں نے تقریباً ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر ان کی شناخت غزل سے اور غزل کی شناخت ان سے ہے۔ انھوں نے غزل میں سادہ بیانی کو شعار بنایا اور اس میں وہ تاثر پیدا کیا کہ اُردو کے عظیم شاعروں: ناسخؔ، ذوقؔ، غالبؔ، حسرتؔ، مجروحؔ اور اکبرؔ الٰہ آبادی جیسے نام ور شاعروں نے ان کی عظمت کو سلام اور انھیں اپنا استاد تسلیم کیا۔

میرؔ کی زبان، شُستہ، سادہ اور پاکیزہ ہے۔ ان کے بیان میں عاشقانہ مضامین اور سوز و گداز کی بہتات ہے۔ تصوّف کے مضامین بھی موجود ہیں جو اُن کے عہد کی سیاسی و معاشرتی حالات کی عکاسی کرتے ہیں۔ شاملِ کتاب غزل اُن میں سے ایک ہے۔

• •

سبق: ۱۶

غزل

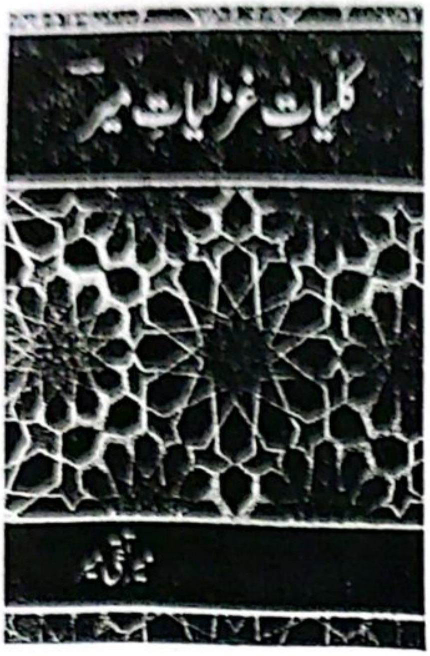

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو اُردو غزل کے مضامین و موضوعات سے روشناس کرنا۔
۲۔ طلبہ کو اُردو غزل کی تاریخ میں میر تقی میر کے مقام و مرتبے سے آگاہ کرنا۔
۳۔ طلبہ کو میر تقی میر کے اندازِ بیان سے متعارف کرنا۔
۴۔ طلبہ کو سہل ممتنع کے معنی و مفہوم سے روشناس کرنا اور اس کی مثالیں دینا۔

فقیرانہ آئے، صدا کر چلے
میاں خوش رہو، ہم دُعا کر چلے

جو تجھ بِن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

شِفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا
ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

نہ دیکھا غمِ دوستاں، شُکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے، کیا کر چلے

(کلیاتِ غزلیاتِ میر)

۱۔ میر کی شامل کتاب غزل کے متن کے پیشِ نظر مختصر جواب لکھیں۔

(الف) شاعر نے فقیرانہ انداز میں کن لفظوں میں دُعا کی ہے؟

(ب) شاعر نے اپنے کس عہد کو وفا کہا ہے؟

(ج) شاعر کو مقدور تک دوا کرنے کے باوجود شفا کیوں نہ ملی؟

(د) شاعر کے نزدیک حقِ بندگی کس طرح ادا ہوا ہے؟

(ہ) شاعر نے کس بات کا شُکر ادا کیا ہے؟

۲۔ میر کی شامل کتاب غزل کے متن کے پیشِ نظر مصرعے مکمل کریں۔

(الف) ________ اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی

(ب) دکھائی دیے یوں کہ ________ کیا

(ج) جبیں ________ کرتے ہی کرتے گئی

(د) ________ ہم ادا کر چلے

(ہ) نہ دیکھا ________ شکر ہے

۳۔ مطلع اور مقطع کسے کہتے ہیں؟ میر کی اس غزل سے مثالیں دیں۔

۴۔ قافیہ کسے کہتے ہیں اور ردیف کیا ہوتی ہے؟ اس غزل میں قافیے اور ردیف کی نشان دہی کریں۔

۵۔ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کی تذکیر و تانیث واضح ہو جائے۔

صدا	عہد	تقدیر	شفا
جبیں	سجدہ	غمِ دوستاں	داغ

Scanned with CamScanner

سرگرمیاں:

- کوئی خوش الحان طالب علم جماعت کے کمرے میں درست آہنگ کے ساتھ اس غزل کی بلند خوانی کرے۔
- تمام طلبہ میرؔ کی اس غزل کو زبانی یاد کریں۔
- طلبہ "کلیاتِ غزلیاتِ میرؔ" میں سے کوئی اور معروف غزل اپنی کاپی میں لکھیں اور دوستوں کو سنائیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ طلبہ کو غزل کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں بتایا جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ غزل کا ہر شعر جداگانہ معنی و مفہوم کا حامل ہوتا ہے۔

۲۔ اُردو غزل کے ابتدائی دور خصوصاً خواجہ میر دردؔ اور میرؔ و سوداؔ کے دور کا ذکر کیا جائے۔

۳۔ طلبہ کو بتایا جائے کہ میرؔ کے بعد آنے والے کم و بیش تمام شاعروں نے میرؔ کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کیا ہے اور اس ضمن میں طلبہ کو استاد ابراہیم ذوقؔ اور مرزا غالبؔ کے یہ دو شعر لکھوائے جائیں۔

نہ ہوا، پر نہ ہوا، میرؔ کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

•

ریختے کے تمھیں استاد نہیں ہو غالبؔ
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

• • •

Scanned with CamScanner

خواجہ حیدر علی آتش

(۱۷۶۴ء-۱۸۴۶ء)

خواجہ حیدر علی، جو آتش تخلص کرتے تھے، کا تعلق دِلی کے ایک معزز خاندان سے تھا۔ ان کے والد نواب شجاع الدولہ کے عہدِ حکومت میں ترکِ سکونت کر کے فیض آباد چلے گئے۔ اس زمانے میں اودھ کا دارالحکومت فیض آباد تھا، لکھنؤ بعد میں ہوا۔ صغر سنی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تو انھوں نے روایتی تعلیم کو خیرباد کہ دیا اور مزاج میں بانک پن آگیا۔ ذریعہ معاش کی ضرورت محسوس ہوئی تو ایک نواب کی ملازمت اختیار کر لی اور انھی کے ساتھ فیض آباد سے لکھنؤ آگئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، خصوصاً لکھنؤ میں بڑی گرم بازاری تھی، یہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے۔ شعر و شاعری میں نام پیدا کرنے کا شوق ہوا تو مصحفی کے شاگرد ہو گئے اور چند ماہ کی محنت سے ایسی مشق بہم پہنچائی کہ خود صاحبِ طرز شاعر ٹھہرے اور دور و نزدیک اُن کا شہرہ ہو گیا۔

خواجہ حیدر علی آتش نے اپنی ساری عمر وضع داری میں بسر کی۔ ان کی زندگی بڑی سادہ تھی مگر زندگی بِتانے کا ایک خاص قرینہ اور ڈھب تھا اور وہ آزاد مزاج اور لااُبالی پن کے حامل واقع ہوئے تھے۔ ہمیشہ سپاہیانہ وضع قطع میں رہتے تھے اور بانک پن کے ساتھ میان میں تلوار باندھے رکھتے تھے، یہاں تک کہ مشاعروں میں بھی تلوار باندھ کر جاتے تھے۔ قناعت پسند ایسے تھے کہ کبھی کسی نواب یا امیر کی خوشامد نہیں کی البتہ اُن کے شاگرد، جن کی تعداد کافی تھی، کبھی کبھی ان کے ساتھ سلوک (رقمی مدد) کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب شعر و شاعری کے حوالے سے لکھنؤ دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا: ایک طبقہ جانب دارانِ ناسخ کا تھا اور دوسرا طبقہ جانب دارانِ آتش کا۔ ان کے آپس میں مقابلے ہوتے رہتے تھے جن سے اردو شاعری کو یہ فائدہ پہنچا کہ دونوں استادانِ فن مقابلے کے خیال سے طبیعت پر زور دے کر شعر کہتے تھے اور ان کی لطیف پیرائے میں نوک جھونک بھی ہوتی رہتی تھی مگر تہذیب کے دائرے سے کبھی باہر نہ نکلتے تھے، جیسا کہ آتش کی شاملِ کتاب معروف غزل کے مقطع کا اشارہ بھی امام بخش ناسخ کی جانب ہے:

یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

سبق: ۱۷

غزل

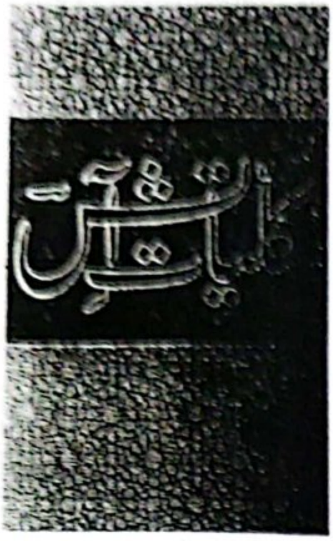

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو اُردو غزل کے مضامین اور موضوعات کے بارے میں بتانا۔

۲۔ طلبہ کو یاد کرانا کہ غزل علائم و رموز (اشارہ، کنایہ) کی زبان ہوتی ہے۔

۳۔ طلبہ کو خواجہ حیدر علی آتشؔ کے زمانے تک اُردو غزل کے ارتقا سے آگاہ کرنا۔

۴۔ طلبہ کو خواجہ حیدر علی آتشؔ کے اسلوبِ بیان اور اُن کی شعری خصوصیات سے آگاہ کرنا۔

۵۔ طلبہ کو ضرب المثل کے معنی و مفہوم سے آگاہ کرنا اور غزل کے اشعار کی تشریح کرنے کے بارے میں بتانا۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گُل سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لُٹایا خزانہ کیا

اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عُمر
مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا

طبل و عَلَم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

بے تاب ہے کمال ہمارا دلِ حزیں
مہماں سرائے جسم کا ہو گا روانہ کیا

یوں مُدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتشؔ غزل یہ تُو نے کہی عاشقانہ کیا

(کلیاتِ آتشؔ)

Scanned with CamScanner

مشق

۱۔ خواجہ حیدر علی آتش کی اس غزل کے متن کے پیشِ نظر مختصر جواب لکھیں۔

(الف) زیرِ زمیں سے جو گُل بھی آتا ہے وہ زر بکف کیوں ہوتا ہے؟

(ب) اسپِ عمر مہمیز اور تازیانے کے بغیر ہی کیوں اڑا جاتا ہے؟

(ج) طبل و عَلَم اور مِلک و مال کن لوگوں کے پاس ہوتا ہے؟

(د) ہمارا دلِ حزیں کیوں کمال بے تاب ہے؟

(ہ) شاعر غزل کے مقطع میں کس سے غزل کی داد پانے کا خواست گار ہے؟

۲۔ غزل کے متن کو مدِ نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ کے ساتھ ملائیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
خلقِ خدا	داد
گُل	تازیانہ
قارون	عاشقانہ
اسپِ عمر	غائبانہ
مہمیز	زر بکف
مدعی	راحتِ منزل
غزل	خزانہ

۳۔ درج ذیل الفاظ کا دُرست تلفّظ اِعراب لگا کر واضح کریں۔

خلق خدا	زر بکف	مہمیز	طبل و علم	مدعی	رُستم

ضرب المثل

ضرب کے معنی ہیں بیان کرنا اور مثل کے معنی ہیں مثال۔ چناں چہ ضرب المثل کے معنی ہوئے مثال دے کر بیان کرنا۔ مگر یہ مثالیں عام نہیں، خاص ہوتی ہیں اور مثل کے چند لفظوں میں ایک پوری کہانی، ایک پورے قصّے یا واقعے کا حوالہ ہوتا ہے جسے اس جیسے کسی اور موقع پر دہرایا جاتا ہے اور وہ چند الفاظ سُن یا پڑھ کر پورا قصہ ذہن میں آ جاتا ہے۔ ضرب المثل کو اُردو میں کہاوت بھی کہتے ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں اور قوموں کا کوئی درجہ ایسا نہیں جس میں ضرب المثل کا رواج نہ ہو۔ اُردو زبان چوں کہ کئی زبانوں سے مل کر بنی

ہے اس لیے اُردو میں ضرب المثل کا ذخیرہ بھی بہت زیادہ ہے۔ روز مرہ گفت گو میں استعمال ہونے والی چند ضرب الامثال یہ ہیں:

- اُلٹے بانس بریلی کو
- بوڑھی گھوڑی لال لگام
- چور کی ڈاڑھی میں تنکا
- زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو
- ایک ایک، دو گیارہ
- ایک انار، سو بیمار

(۴) اپنے استادِ محترم سے مذکورہ ضرب الامثال کا مفہوم معلوم کریں اور یہ سمجھیں کہ انھیں کن موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔

غزل کے شعر کی تشریح کرنا

غزل کے شعر کی تشریح کرنا نظم کے شعر کی تشریح سے مختلف ہوتا ہے۔ نظم کے تمام شعر مل کر ایک مفہوم دیتے ہیں جب کہ غزل کا ہر شعر ایک علیحدہ اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر شعر کا مفہوم جداگانہ ہوتا ہے۔ چناں چہ غزل کے شعر کی تشریح کرتے وقت درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

- تشریح آسان الفاظ میں، بول چال کی زبان میں اور رواں ہونی چاہیے۔
- شاعر نے شعر میں اگر کوئی تشبیہ یا استعارہ، کنایہ، تلمیح یا کوئی صنعتِ لفظی یا معنوی استعمال کی ہے تو اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔
- شاعر کا شعری مزاج اور اسلوب پیشِ نظر رہنا چاہیے۔

خواجہ حیدر علی آتش کے ایک شعر کی تشریح ملاحظہ کریں:

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گُل سو زر بکف
قاروں کے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

مفہوم: زمین میں سے جو پھول بھی اُگتا ہے وہ لازماً زرِ گل لیے ہوتا ہے۔ کہیں اس کی وجہ قارون کا خزانہ تو نہیں؟

تشریح: زیرِ تشریح شعر کے پس منظر میں "گنجِ قارون" یا "قارون کا خزانہ" ایک معروف تلمیح ہے۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ایک انتہائی مال دار مگر بخیل شخص تھا۔ جس کے ہاتھ کہیں سے پارس پتھر لگ گیا تھا، جس کی وجہ سے، اس کے پاس اتنا سونا اکٹھا ہو گیا تھا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔ حضرت موسیٰؑ نے اسے کہا کہ تم زکوٰۃ دو مگر اس نے انکار کر دیا تو وہ حضرت موسیٰؑ کی بددعا سے اپنے سونے کے خزانوں سمیت زمین میں دھنس گیا۔

شاعر (آتش) نے اس تلمیح سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قارون کے سونے کے خزانے نے زیرِ زمین جا کر بھی چین نہیں لیا اور وہ زرِ گل کی صورت میں زمین سے باہر آ رہا ہے اور ہر پھول اپنی ہتھیلی میں زرِ گل (زر دانے) پکڑے ہوئے زمین باہر نکلتا ہے۔ اس انوکھے خیال کو مرزا غالب نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

شاعر کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ کیسے کیسے بڑے ہی حسین و جمیل لوگ تھے، جو زیرِ زمین چلے گئے مگر وہاں بھی ان کے حسن نے چین نہیں لیا اور ان کا حسن لالہ و گل کی صورت میں زمین سے باہر آ رہا ہے۔

آتش کے کہنے کا مفہوم یہ ہے کہ ہر پھول زرِ گل لیے ہوتا ہے تو اس کی وجہ قارون کا سونے کا خزانہ ہے۔ اس صورتِ حال کو شعری اصطلاح میں صنعتِ حُسنِ تعلیل کا نام دیا جاتا ہے، یعنی شاعر نے زمین سے اپنی ہتھیلی میں زرِ گل لیے پھولوں کے اُگنے کی جو وجہ بیان کی ہے وہ اصل وجہ نہیں مگر شاعر نے کیا خوب صورت وجہ بیان کی ہے، جس پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔

۵۔ غزل کے اشعار کی تشریح کے لیے بیشتر ہدایات اور نمونے کی تشریح کی روشنی میں درج ذیل شعروں کی تشریح کریں:

اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر
مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا
طبل و عَلَم پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

سرگرمیاں:

- کوئی خوش الحان طالب علم جماعت کے کمرے میں دُرست آہنگ کے ساتھ اس غزل کی بلند خوانی کرے۔
- تمام طلبہ آتش کی اس معروف غزل کو زبانی یاد کریں۔
- طلبہ "کلیاتِ آتش" یا انٹرنیٹ کی مدد سے ایک اور زبان زدِ خاص و عام غزل تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیں۔ اس غزل کا مطلع ہے:

دہن پر ہیں ان کے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

اشاراتِ تدریس

۱۔ استاد آتش کی یہ غزل خود پڑھے اور طلبہ سے قافیے اور ردیف کی نشان دہی کرائے۔
۲۔ استاد طلبہ کو خواجہ حیدر علی آتش اور امام بخش ناسخ کی شاعرانہ چشمک سے بھی آگاہ کرے۔
۳۔ استاد طلبہ کو مقطع پڑھ کر سناتے ہوئے بتائیں کہ مقطع میں یہ اشارہ امام بخش ناسخ کی طرف ہے۔

ناصر کاظمی

(۱۹۲۵ء-۱۹۷۲ء)

سیّد ناصر رضا کاظمی المعروف بہ ناصر کاظمی کی جائے ولادت انبالہ (مشرقی پنجاب، انڈیا) ہے۔ ان کے والدِ گرامی سیّد محمد سلطان کاظمی رائل انڈین آرمی میں صوبے دار میجر کے عہدے پر فائز تھے۔ والدہ کا تعلق علم و کتاب سے تھا اور وہ انبالہ کے مشن گرلز ہائی سکول میں ٹیچر تھیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ناصر کاظمی نے پرائمری تک کی تعلیم اپنی والدہ کے سکول سے اور میٹرک مسلم ہائی سکول انبالہ سے کیا اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے لاہور آ گئے اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں داخلہ لے لیا، جہاں سے ایف اے پاس کیا۔ اس کے بعد بی اے کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا مگر ناساز گار حالات کی وجہ سے بی اے کیے بغیر ہی تعلیم ترک کر دی۔

ناصر کاظمی قیامِ پاکستان کے بعد اپنے خاندان کے ہم راہ انبالہ سے ہجرت کر کے کرشن نگر لاہور میں آ گئے اور جب ان کے والدین کا سایہ سر سے جلد ہی اُٹھ گیا تو انھوں نے ملازمت کرنے کی ٹھانی۔ ملازمت کے سلسلے میں پہلے تقریباً دو سال تک مجلّہ "اوراقِ نو" کے مدیر رہے، پھر پانچ سال تک ماہنامہ "ہمایوں" کی ادارت کے فرائض انجام دیے اور بعد ازاں ایک سال تک ماہنامہ "خیال" کے مدیر و ناشر رہے۔ ازاں بعد ۱۹۶۴ء میں بطور سٹاف آرٹسٹ ریڈیو پاکستان لاہور کے ساتھ منسلک ہو گئے اور یہ وابستگی تادمِ واپسیں رہی۔

ناصر کاظمی کی شاعری کا آغاز زمانۂ طالب علمی ہی سے ہو گیا تھا۔ ان کی پہلی غزل ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی اور پھر وہ تواتر کے ساتھ رسائل و جرائد میں چھپتے رہے۔

ناصر کاظمی کی شاعری میں میرؔ کی سی اداسی نظر آتی ہے۔ شہر، رات، سفر وغیرہ آپ کے خاص موضوعات ہیں۔ آپ نے روایت سے بغاوت کیے بغیر غزل میں نئی راہیں تلاش کیں۔ اُردو شاعری میں ناصر کاظمی کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ وہ اپنے گرد و پیش میں دیکھتے ہیں، وہیں سے علامتیں اور استعارے اخذ کرتے ہیں اور یہ آپ کی انفرادیت ہے جسے انھوں نے بڑی سادگی اور دردمندی سے بیان کر دیا ہے۔ ان کی شاعری کے مجموعوں میں: "برگِ نَے"، "سُر کی چھایا"، "نشاطِ خواب"، "دیوان" اور "پہلی بارش" شامل ہیں جب کہ ان کا تمام کلام "کلیاتِ ناصر کاظمی" کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

غزل

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو اُردو غزل کے جدید دور سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو ناصر کاظمی کے اندازِ بیان اور ان کی غزل کی نمایندہ خصوصیات سے آگاہ کرنا۔
۳۔ طلبہ کو روشناس کرنا کہ شعر جتنا آسان نظر آتا ہے، کہنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے اور مثال کے طور پر ناصر کاظمی کی اس غزل سے شعروں کی مثال پیش کرنا اور بتانا کہ یہ غزل سہلِ ممتنع کی خوب صورت مثال ہے۔
۴۔ طلبہ کو اس غزل میں آنے والے نئے الفاظ و تراکیب کے استعمال کے بارے میں بتانا۔

غم ہے یا خوشی ہے تُو
میری زندگی ہے تُو

آفتوں کے دَور میں
چَین کی گھڑی ہے تُو

میری رات کا چراغ
میری نیند بھی ہے تُو

مَیں خزاں کی شام ہوں
رُت بہار کی ہے تُو

دوستوں کے درمیاں
وجہِ دوستی ہے تُو

میری ساری عُمر میں
ایک ہی کمی ہے تُو

مَیں تو وہ نہیں رہا
ہاں مگر وہی ہے تُو

ناصؔر اس دیار میں
کتنا اجنبی ہے تُو

(کُلیاتِ ناصؔر کاظمی)

مشق

(۱) ناصر کاظمی کی اس غزل کے متن کے پیش نظر مختصر جواب لکھیں۔

(الف) "غم ہے یا خوشی" شاعر نے ہر حال میں زندگی کو کیسے قرار دیا ہے؟

(ب) شاعر نے آفتوں کے دور میں چین کی گھڑی کسے کہا ہے؟

(ج) شاعر نے اپنے آپ کو خزاں کی شام کیوں کہا ہے؟

(د) شاعر نے اپنے آپ کو دوستوں کے درمیان وجہِ دوستی کیوں قرار دیا ہے؟

(ہ) شاعر نے اس دیار میں اپنے آپ کو اجنبی کیوں کہا ہے؟

(۲) کالم (الف) کے مصرعِ اوّل کو کالم (ب) کے مصرعِ ثانی کے ساتھ اس طرح ملائیں کہ شعر مکمل ہو جائے۔

کالم (الف)	کالم (ب)
غم ہے یا خوشی ہے تو	چین کی گھڑی ہے تُو
آفتوں کے دور میں	رُت بہار کی ہے تُو
میری رات کا چراغ	ہاں مگر وہی ہے تُو
میں خزاں کی شام ہوں	میری زندگی ہے تُو
میں تو وہ نہیں رہا	میری نیند بھی ہے تُو

(۳) درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

چین کی گھڑی	خزاں	رُت	وجہِ دوستی	دیار	اجنبی

(۴) شاعر نے اپنی غزل کے مطلع میں کون سی صنعت استعمال کی ہے، نشان دہی کریں۔

(۵) درج ذیل شعر کی تشریح کریں:

میں خزاں کی شام ہوں
رُت بہار کی ہے تُو

Scanned with CamScanner
CamScanner

سرگرمیاں:

- طلبہ ناصر کاظمی کی یہ غزل دُرست تلفّظ کے ساتھ پڑھیں اور صنعتِ تضاد کے حامل اشعار الگ کر کے سنائیں۔
- تمام طلبہ ناصر کاظمی کی اس غزل کو نثر کی صورت بنا کر اپنی کاپیوں میں لکھیں اور استاد سے اصلاح لیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ ناصر کاظمی کا موازنہ چند ہم عصر شاعروں سے کیا جائے۔

۲۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ غزل علائم و رموز (اشارے کنائے) کی زبان ہے اور ان سے پوچھیں کہ اس غزل میں خزاں، بہار، دیار اور اجنبی کے الفاظ کس بات کی علامت ہیں۔

۳۔ اساتذہ ناصر کاظمی کے چند زبان زدِ خاص و عام شعر سنائیں۔

اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ ناصر کاظمی کو مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کا بڑا غم تھا اور طلبہ کو اُن کی یہ غزل سنائیں جس کا پہلا شعر ہے:

وہ ساحلوں پہ گانے والے کیا ہوئے
وہ کشتیاں چلانے والے کیا ہوئے

۴۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ شعروں میں زبان زدِ خاص و عام ہونے کی صلاحیت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

Scanned with CamScanner

پروین فنا سیّد

(۱۹۳۶ء-۲۰۱۰ء)

پروین فنا سیّد کا اصل نام پروین سیّد ہے۔ شاعری کا آغاز کیا تو "فنا" تخلص پسند کیا اور یوں پروین فنا سیّد کے نام سے معروف ہوئیں۔ جائے ولادت لاہور ہے۔ ان کے والدِ گرامی سیّد ناصر حسین رضوی محکمہ جیل خانہ جات میں سپرنٹنڈنٹ جیل تھے اور والدہ کا نام سیّدہ افتخار النسا تھا جو امورِ خانہ داری کی بڑی ماہر خاتون تھیں۔

قیامِ پاکستان کے وقت آپ گورداسپور (مشرقی پنجاب، انڈیا) میں مقیم تھیں جہاں کے ہندو مسلم فسادات نے آپ کے ذہن کو بڑا متاثر کیا جس کے اثرات بعد ازاں آپ کی شاعری میں بھی در آئے۔

آپ نے گوجرانوالہ سے اعلیٰ نمبروں میں میٹرک پاس کیا اور لاہور آکر لاہور کالج برائے خواتین میں پری میڈیکل کلاس میں داخلہ لے لیا۔ ان کی لیڈی ڈاکٹر بننے کی خواہش تھی لیکن انھی دنوں شدید علالت کے باعث وہ اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ کر سکیں کیوں کہ ڈاکٹروں نے انھیں کافی عرصہ تک دماغی کاموں سے دُور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ بہر حال اس کیفیت میں بھی انھوں نے ہمّت نہ ہاری اور ایک سال بعد انٹر میڈیٹ کا امتحان بڑے اچھے نمبروں میں پرائیویٹ طور پر پاس کر لیا۔ بعد ازاں آپ سیّد احمد کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔ شادی کے وقت آپ کے رفیقِ حیات پاک فوج میں آفیسر تھے۔ شادی کے بعد آپ نے لاہور کالج برائے خواتین لاہور ہی سے گریجوایشن کی اور امورِ خانہ داری میں ایسی مصروف ہوئیں کہ مزید تعلیم حاصل کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

پروین فنا سیّد کو فنِ مصوّری اور موسیقی میں گہری دل چسپی تھی۔ ان کے فن کا تعارف اس وقت ہوا جب ۱۹۵۸ء میں ریڈیو پاکستان راول پنڈی سے پہلی مرتبہ ان کا کلام نشر ہوا۔

پروین فنا سیّد اپنی ابتدائی دور کی شاعری میں ادا جعفری (۱۹۲۴ء-۲۰۱۵ء) سے متاثر تھیں اور انھی کے رنگ میں شاعری کرتی تھیں۔ بعد میں فیض احمد فیضؔ سے کسبِ فیض کیا اور شاعری میں اصلاح لی تو اپنا رنگِ شاعری اختیار کیا جو تادمِ واپسیں جاری رہا۔

پروین فنا سیّد کی معاصر شاعرات میں کشور ناہید، شبنم شکیل، فہمیدہ ریاض اور پروین شاکر وغیرہ شامل ہیں مگر ان سب شاعرات کی موجودگی میں ان کی الگ تھلگ شناخت ہے۔ ان کی تصانیف میں: "حرفِ وفا"، "تمنا کا دوسرا قدم"، "یقین"، "لہو سرخرو ہے" اور "حیرت" شامل ہیں اور ان کی کلیات بھی شائع ہو چکی ہے۔

Scanned with CamScanner
CamScanner

غزل

مقاصدِ تدریس:

۱۔ طلبہ کو پروین شاکر کی ہم عصر شاعرات کے ناموں سے آگاہ کرنا۔
۲۔ طلبہ کو پروین شاکر کے فکر و خیال اور اسلوب کے بارے میں رُوشناس کرنا۔
۳۔ طلبہ کو پروین شاکر کے کلام کی پسندیدگی کی وجہ بتانا۔
۴۔ طلبہ کو پروین شاکر کی اس غزل میں آنے والے قافیے، ردیف اور تراکیب سے آگاہ کرنا۔

کاش طوفاں میں سفینے کو اُتارا ہوتا
ڈوب جاتا بھی تو موجوں نے اُبھارا ہوتا

ہم تو ساحل کا تصوّر بھی مٹا سکتے تھے
لبِ ساحل سے جو ہلکا سا اشارا ہوتا

تم ہی واقف نہ تھے آدابِ جفا سے ورنہ
ہم نے ہر ظلم کو ہنس ہنس کے سہارا ہوتا

غم تو خیر اپنا مُقدّر ہے، سو اس کا کیا ذکر
زہر بھی ہم کو بہ صد شوق گوارا ہوتا

باغباں تیری عنایت کا بھرم کیوں کُھلتا
ایک بھی پھول جو گلشن میں ہمارا ہوتا

تُم پر اسرارِ فنا، رازِ بقا کُھل جاتے
تُم نے ایک بار تو یزداں کو پکارا ہوتا

(کُلیاتِ پروین شاکر)

مشق

۱۔ پروین فنا سیّد کی اس غزل کے متن کے پیشِ نظر مختصر جواب لکھیں۔

(الف) شاعرہ کو طوفان میں سفینے کو اتارنے کی شدید خواہش کیوں ہے؟

(ب) شاعرہ کس صورت میں ساحل کا تصور مٹا دینے کے لیے تیار ہے؟

(ج) شاعرہ کس حال میں ہر ظلم کے سہارنے کے لیے آمادہ ہے؟

(د) شاعرہ کس صورتِ حال میں بہ صد شوق زہر کو گوارا کرنے کے لیے تیار ہے؟

(ہ) شاعرہ کس کے بھرم کھلنے کی بات کر رہی ہے؟

۲۔ غزل کے متن کو مدِ نظر رکھ کر کالم (الف) میں دیے گئے الفاظ کو کالم (ب) کے متعلقہ الفاظ کے ساتھ ملائیں تاکہ درست مصرے ترتیب پا سکیں۔

کالم (الف)	کالم (ب)
کاش طوفاں میں	بھی مٹا سکتے تھے
ہم تو ساحل کا تصور	آدابِ جفا سے ورنہ
تم ہی واقف نہ تھے	سو اس کا کیا ذکر
غم تو خیر اپنا مقدر ہے	رازِ جفا کھل جاتے
تم پر اسرارِ فنا	سفینے کو اُتارا ہوتا

۳۔ اس غزل میں ہم آواز الفاظ: اُتارا، اُبھارا، اِشارا، سہارا، گوارا، ہمارا، پکارا کے الفاظ کس طور پر استعمال ہوئے ہیں؟

۴۔ اس غزل میں مطلع کے دونوں مصرعوں اور اس کے بعد آنے والے ہر دوسرے مصرعے میں وہ لفظ کیا ہے جو مِن و عَن دہرایا جاتا ہے اور اُسے اصطلاح میں کیا نام دیا جاتا ہے؟

۵۔ درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کے معنی واضح ہو جائیں۔

ساحل	طوفاں	سفینہ	موجوں	تصور

۶۔ اس غزل کی درج ذیل تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

آدابِ جفا	بہ صد شوق	عنایت کا بھرم	اسرارِ فنا	رازِ جفا

۷۔ اس غزل کے مطلع میں دو ایسے الفاظ ہیں جو متلازم یا گروہی الفاظ کہلا سکتے ہیں؟

۸۔ متن کے مطابق مناسب لفظ کی مدد سے مصرعے مکمل کریں۔

(الف) ڈوب جاتا بھی تو __________ نے اُبھارا ہوتا

(ب) ہم نے ہر ظلم کو __________ کے سہارا ہوتا

(ج) زہر بھی ہم کو __________ گوارا ہوتا

(د) ایک بھی پھول جو __________ میں ہمارا ہوتا

(ہ) تم نے ایک بار تو __________ کو پکارا ہوتا

۹۔ اس غزل کے ان شعروں کی تشریح لکھیں اور متعلقہ صنعت کا حوالہ بھی دیں۔

باغباں تیری عنایت کا بھرم کیوں کھلتا
ایک بھی پھول جو گلشن میں ہمارا ہوتا

تُم پر اسرارِ فنا، رازِ بقا کُھل جاتے
تُم نے ایک بار تو یزداں کو پکارا ہوتا

سرگرمیاں:

- طلبہ پروین فنا سیّد کی یہ غزل دُرست تلفّظ اور رواں لب و لہجے کے ساتھ کلاس میں پڑھیں۔
- طلبہ لائبریری سے پروین فنا سیّد کا کلیات حاصل کریں اور اُن کی کوئی اور مترنّم غزل دوستوں کو سُنائیں۔
- طلبہ اس غزل کے مطلع اور مقطع کو اپنی کاپی میں لکھیں۔

اشاراتِ تدریس

۱۔ اساتذہ طلبہ کو پروین فنا سیّد کی اس غزل میں زبان اور فکر و خیال کی خوبیوں سے آشنا کریں۔
۲۔ اساتذہ طلبہ کو پروین فنا سیّد کے علاوہ ان کی دیگر ہم عصر شاعرات سے متعارف کرائیں۔
۳۔ اساتذہ طلبہ کو اس غزل میں آنے والے استعاروں کی وضاحت مثالوں سے سمجھائیں۔
۴۔ اساتذہ طلبہ کو بتائیں کہ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا تصور غزل کا اہم موضوع ہے۔

Scanned with CamScanner

فرہنگ

(بہ لحاظ الف بائی ترتیب)

نوٹ: فرہنگ میں الفاظ کے بالعموم وہی معانی دیے گئے ہیں جو متن سے مطابقت رکھتے ہیں۔

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
	۱۔ حمد		
آہنگ	آواز	جستجو	تلاش، کوشش
خلافت	جانشینی، قائم مقامی	خم رہے	جھکا رہے
سحر	صبح سویرے	سینۂ سنگ	پتھر کا سینہ
فلک	آسمان، چرخ	منصبِ آدمیت	آدمی ہونے کا مرتبہ
	۲۔ نعت		
تاج دارِ یثرب و بطحا	مدینہ و مکہ کے تاج دار	تارِ الست	یہ ایک تلمیح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا نور تخلیق کیا
رحمتِ دو جہاں	دونوں جہان کے لیے رحمت		
سینۂ شب	رات کا سینہ	شناسا	واقف، جان پہچان والا
غایت	مقصد	غایتِ اولیٰ	افضل ترین مقصد
نظیر	مثال، مانند	نورِ اوّلین	سب سے پہلا نور
	۳۔ اسوۂ حسنہ		
ازواجِ مطہرات	پاک بیویاں، مراد نبی کریم ﷺ کی ازواج	اُمّ المومنین	ایمان لانے والوں کی ماں
امکان بھر	جہاں تک ممکن ہو	پیوند	جوڑ، تھگلی
حشر	روزِ قیامت، حساب کتاب کے لیے جمع ہونا	خاطر داری کرنا	آؤ بھگت، دیکھ بھال کرنا
خوشہ	کسی پھل کا گچھا	داد و دہش	سخاوت، فیاضی، خیرات
دل جوئی کرنا	دل رکھنا، لحاظ کرنا	دوہنا	گائے بھینس وغیرہ کا دودھ نکالنا
شجاعت	بہادری، ہمت	شہادت	اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنا
عار	شرم، حیا	غلّہ	اناج، جنس
فصل	موسم، رُت	گانٹھنا	مرمت کرنا، جوڑنا
گروی رکھنا	کسی چیز کو رہن رکھنا	معجزہ	وہ کام جو انسانی طاقت سے باہر ہو

۴۔ اپنی مدد آپ

بدیہی	صاف، واضح، روشن	بیش بہا	بہت قیمتی
پرستش	پوجاپاٹ، عبادت	پنسال	پانی کے بہنے کی جگہ
تائب	توبہ کرنے والا	آلۂ جرِ ثقیل	کرین، بھاری وزن اٹھانے والی مشین
حاشاوکلا	ہرگز نہیں، قطعاً نہیں	حظ	لطف، مزہ
خضر	راہ نما، غیبی مدد کرنے والی برگزیدہ ہستی	فانوسِ خیال	چلتی ہوئی فلم۔ خیالی تصویریں
قوی	قوت والا، طاقت ور	لابدی	لازمی، ضروری
مارِ سرِ گنج	خزانے کے اوپر بیٹھا ہوا سانپ	مانع	منع کرنے والا، رکاوٹ

۵۔ کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ

اُپلے	پاتھیاں، سوکھا گوبر	اپنے تئیں	اپنے آپ کو
احتمال	ڈر، خدشہ	اختلاجِ قلب	دل کی غیر معمولی دھڑکن
اشتداد	شدّت، سختی	بے بہرہ	ناواقف، جاہل
بھاڑ	بھٹی، جہاں دانے بھونتے ہیں	پائیں باغ	گھر کی پچھلی جانب کا باغ
تسبیحِ بے ہنگام	بے وقت کا مسلسل شور	جاہ و حشمت	شان و شوکت
چاروناچار	مجبوراً، ہر صورت میں	چرب زبانی	چکنی چپڑی باتیں کرنا
حمیّت	غیرت شرم وحیا	خاصا	بادشاہ یا اُمرا کا کھانا
خفقان	دل کی تیز دھڑکن، وحشت	دیوان خانہ	مہمان خانہ
دیوِ اشتہا	بھوک کا جن بھوت	رخنہ اندازیاں	رکاوٹیں
روگ	دکھ، بیماری	سخن سازی	باتیں بنانا
سرائے	مسافرخانہ	شاق گزرنا	بُرا لگنا
شُدہ شُدہ	ہوتے ہوتے	ضماد	لیپ، پٹی، مرہم
غایت درجہ	اونچا درجہ، انتہائی درجہ	کثیف تکیہ	میلا کچیلا یا غلیظ سرہانا
کٹڑے	ایک احاطے کے گھر	کرنجی	نیلے رنگ کا
کوتوال	محافظ، پولیس آفیسر	کھڑنجے کا فرش	کھڑی انیٹوں کا فرش
گاڑھی چھننا	آپس میں زیادہ پیار ہونا	گجر دم	صبح سویرے

Scanned with CamScanner

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
	٦۔ نام دیو مالی		
اُپج	نرالا پن، جدت	استعداد	صلاحیت، قابلیت
باؤلی	وہ چوڑا کنواں جس میں سیڑھیاں بنی ہوتی ہیں	بشاشت	تازگی، خوشی
بلا تامل	بغیر سوچے سمجھے	بیر	دشمنی، عداوت
بیڑی	پتوں کی بنی ہوئی سگریٹ	بیگار	بلا اجرت کام
تھانولا	پودے کے چاروں جانب پانی ڈالنے کی جگہ	جھاڑنا بہارنا	جھاڑ پونچھ کرنا، صاف کرنا
چمن بنانا	کیاریوں میں پھول لگانا	داروغہ	نگرانِ اعلیٰ
جھکڑ	غول، گروہ	دنیا و مافیہا	دنیا اور جو کچھ اس میں ہے
ڈھیڑ	ایک کم درجے کی ذات کا نام	روشیں	راستے، پگڈنڈیاں
	٧۔ آرام و سکون		
بے ڈھنگا	بُرے رنگ ڈھنگ کا	بے طرح	حد سے زیادہ، بہت زیادہ
پر نہ مارنا	پرواز نہ کر سکنا، اُڑ نہ سکنا	تردّد	فکر، پریشانی
تقویت	قوت، طاقت	تھکان	تھکاوٹ، تھکن
زِچ ہونا	تنگ ہونا، چڑ جانا	سقّا	پانی بھرنے والا
علیل	بیمار، ناساز	کراہنا	درد کی وجہ سے آواز نکالنا
کواڑ	دروازے یا کھڑکی کا پٹ	مقوی	قوت، طاقت
مضر	نقصان دہ، غیر مفید	نصیبِ دشمناں	ایسا دشمنوں کے نصیب میں ہو
نغمہ سرائی کرنا	گیت گانا	ہاون دستہ	دوا غیرہ کوٹنے کا آلہ
	٨۔ کتبہ		
آلکس	سستی، کاہلی	اثاثہ	سامان سرمایہ
انٹرنس	میٹرک کا امتحان	پُر فضا	خوش گوار، اچھی ہوا
پھلواریاں	پھولوں کی کیاریاں	پے در پے	مسلسل، لگاتار
ترمیم	تبدیلی، دُرستی	توند	بڑھا ہوا پیٹ
جلی حروف	بڑے بڑے حرف	چابک دستی	ہوشیاری، فن کاری
چوڑی چکلی	بہت زیادہ چوڑی	جہاں دیدہ	تجربہ کار
خس و خاشاک	گھاس پھوس، تنکے	خراماں خراماں	آہستہ آہستہ چلتے ہوئے

ڈسپیچر	دفتر سے کاغذات بھیجنے والا	دمکنا	روشن ہوتا
سعی لاحاصل	ناکام کوشش	رنگروٹ	بھرتی ہونے والا نیا سپاہی
سولا ہیٹ	انگریزی طرز کی چھجے دار ٹوپی	سنیاسی	جڑی بوٹیوں کا ماہر
غل غپاڑا	شور شرابا	طمانیت	خوشی، اطمینان
قفل	تالا، بندش	فارغ البالی	فرصت، فراغت
کاٹھ	لکڑی، کاٹھی	قماش	انداز، طور طریقہ
کندہ کرانا	پتھر کھود کر لکھوانا	کتبہ	پتھر پر لکھی ہوئی عبارت
کہنہ فروش	پرانی چیزیں بیچنے والا	کنگلا	بھوکا، محتاج، تنگ حال
گھاگ	تجربہ کار آدمی	گُدّی	گردن کا پچھلا حصّہ
لطیفہ غیبی	اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد	محویت	گہری سوچ
مطلق	بالکل، قطعاً	نصب کرنا	لگانا، گاڑنا
۹۔ ابتدائی حساب			
آزمودہ	آزمایا ہوا	بندی	نقطہ
تفریق پیدا کرنا	فرق رکھنا	جبراً	مجبوری کے تحت
جہل	جہالت، نا سمجھی	خطِ منحنی	ٹیڑھی میڑھی لکیر
سلب کر لینا	چھین لینا	شائبہ	شک وشُبہ
ضربِ خفیف	ذرا سی چوٹ	ضربِ شدید	سخت یا زیادہ چوٹ
قناعت	صبر شکر، تھوڑے پر راضی رہنا	کیسہ	جیب، پاکٹ، تھیلا
مانع	رکاوٹ، منع کرنا	منہا کرنا	تفریق کرنا
۱۰۔ لڑی میں پروئے ہوئے منظر			
آخر الذکر	جس کا ذکر آخر میں ہو	آنکھیں موندنا	آنکھیں بند کر لینا
اوّل الذکر	جس کا ذکر پہلے ہو	پایۂ تخت	دار الحکومت
پیش رو	آگے آگے چلنے والا	دریا در یا چلنا	دریا کے ساتھ ساتھ چلنا
تنو مند	صحت مند	جھرنا	ٹپکتے پانی کا چشمہ
چشم دید گواہ	آنکھوں دیکھا گواہ	چہکار	پرندوں کی آوازیں
روندنا	پاؤں تلے کچلنا	شعور	عقل، سمجھ بوجھ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عبرت	نصیحت، سبق	قند	میٹھی چیز، چینی، شکر
قواعد	قاعدہ کی جمع، گرامر	گیان دھیان	خدا کو پہچاننے کے لیے غور فکر کرنا
محرمِ راز	راز جاننے والا	مصاحب	ہم نشین، ساتھی
۱۱۔ بھیڑیا			
آسائشیں	آسانیاں، خوشیاں	آگ بگولا ہونا	سخت غصے میں ہونا
انگ	جوڑ، بدن، جسم	باؤلا پن	پاگل پن، دیوانہ پن
بے سُود	بے فائدہ، بے کار	پھندا ڈالنا	رسی ڈالنا
جبر	ظلم و ستم	جلّاد	مجرم کو پھانسی یا موت کے گھاٹ اتارنے والا
جنون	پاگل پن، دیوانہ پن	سنسنی	خوف و ہراس، کپکپاہٹ
غرّانا	منھ سے غصے کی آواز نکالنا	کوسنا	برا بھلا کہنا، بد دعا دینا
ماؤف ہونا	سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہنا	مسکن	ٹھکانا، رہنے کی جگہ
۱۲۔ محنت کی برکات			
اڑے وقت	مشکل وقت	تلف ہونا	برباد ہونا، ضائع ہونا
جوہر	خوبی، اچھائی	درماں	علاج، دوا
زورِ قضا	قدرت کا زور	سہل	آسان، سہولت سے
صید	شکار	فرماں روائی	حکومت کرنا، حکمرانی
فضیلت	بڑائی، اچھائی	لازم ہے	ضروری ہے
مبادا	ایسا نہ ہو	مخفی	چھپا ہوا، پوشیدہ
۱۳۔ جاوید کے نام			
ثمر	پھل، نتیجہ	جام	پیالہ، کٹورا
دیار	شہر، آبادی	سفال	مٹی کا پیالہ
سکوت	خاموشی، چپ	شاخِ تاک	انگور کی بیل
شیشہ گراں	شیشہ بنانے والے	طریق	طور طریقہ
فرنگ	انگریز خصوصاً برطانیہ کا باشندہ	لالہ فام	لالے کا رنگ، سرخ رنگ کا
۱۴۔ پیامِ لطیف			
آسرا	سہارا، بھروسا	ایمانِ کامل	مکمل ترین ایمان

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
توصیف	تعریف	رازقِ کائنات	دنیا کو رزق دینے والا
سنگ ریزے	پتھر کے ٹکڑے	شش جہات	چھے طرفیں (دائیں، بائیں، سامنے، پیچھے، اوپر، نیچے)
علیم	علم والا	فوقیت	برتری دینا
گوہرِ بے بہا	بہت قیمتی موتی	معصیت	گناہ، قصور
وحدہٗ لاشریک	وہ واحد ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔	وابستہ	منسلک، تعلق دار
۱۵۔ کرکٹ اور مشاعرہ			
اناڑی	ناتجربہ کار	اہمال	تاخیر، غفلت، بے توجہی
ریاضِ مسلسل	لگاتار محنت	عندلیب	بلبل، ایک خوش نوا پرندے کا نام
متشاعر	جو شاعر نہ ہو مگر اپنے آپ کو شاعر کہتا ہو	مقدر	قسمت، تقدیر
۱۶۔ غزل (میر تقی میر)			
بے خود	اپنے آپ میں نہ رہنا، سرشار	تجھ بن	تیرے بغیر
جبیں	پیشانی، ماتھا	حقِ بندگی	عبادت کا حق، غلامی کا حق
شفا	علاج، دوا	عہد	وعدہ، کہی ہوئی بات
۱۷۔ غزل (آتش)			
اسپِ عمر	عمر (زندگی) کا گھوڑا	تازیانہ	کوڑا، چابک
دلِ حزیں	غم گین دل	زربکف	ہتھیلی پر سونا رکھے ہوئے
طبل و عَلَم	ڈھول اور جھنڈا	مدّعی	دعوے دار، مخالف، رقیب
گل	پھول، کھلا ہوا	مہمیز	ایڑ لگانا
۱۸۔ غزل (ناصر کاظمی)			
آفتوں	مشکلوں، پریشانیوں	چین	آرام، سکھ
دیار	شہر، ملک	رُت	موسم، زمانہ
۱۹۔ غزل (پروین فنا سیّد)			
آدابِ جفا	ستم ڈھانے کے انداز	بہ صد شوق	بڑے شوق سے
بھرم	لحاظ شرم	تصوّر	خیال، گمان
رازِ بقا	ہمیشہ زندہ رہنے کا راز	سفینہ	کشتی، ناو
عنایت	کرم، مہربانی	یزداں	مراد ہے خُدا تعالیٰ

Scanned with CamScanner